www.UrduFanz.com
بے گناہ مجرم
اشتیاق احمد

محمود، فاروق، فرزانہ

اور ۔۔۔ انسپکٹر جمشید سیریز

ناول نمبر ۵۸۰

بے گناہ مجرم

اشتیاق احمد

نام ناول ——— بے گناہ مجرم
طابع ——— اشتیاق احمد
طبع اوّل ——— یکم اگست ۱۹۹۴ء
خوشنویس ——— سعید نامدار
سرورق ——— طاہر ایس ملک
قانونی مشیر ——— اعجاز احمد ایڈووکیٹ
مطبع ——— عظیم علیم پرنٹرز
قیمت ——— [illegible] روپے

اشتیاق پبلی کیشنز
۹/۱۲ نصیر آباد — مسلم پورہ — سانده کلاں — لاہور
فون 7246356

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ، بھلائی اُس گھر کی طرف جلدی جائے گی ، جس میں مہمان آتے رہتے ہیں ، چُھری سے جو اونٹ کی کوہان کی طرف جاتی ہے ۔

سُنن ابن ماجہ شریف ، جلد سوم
صفحہ نمبر ۵۰ ، حدیث نمبر ۲۴۱

(ت ، اونٹ میں کوہان کا گوشت بہت لذیذ ہوتا ہے ، لوگ اسی کو جلدی سے کاٹ لیتے ہیں ، تو فرمایا کہ جس گھر میں مسافروں کی مہمانی ہوتی ہو ، اس میں خیر و برکت اس سے بھی جلد جائے گی ، جتنی جلد چُھری کوہان کی طرف دوڑتی ہے)

دو باتیں

السلام علیکم!

عیدالاضحیٰ کے دوسرے دن ۲۳ مئی کو میرے جوان سال بچے وفات پا گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ جوان اولاد کی موت کا صدمہ کیا ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ زندگی میں پہلی بار ہوا۔ اس سے پہلے چھوٹی عمر کے بچے فوت ہوئے ہیں، لیکن چھوٹی عمر کے بچے میں اور جوان اولاد میں بہت زیادہ فرق ہے۔

تمام قارئین سے درخواست ہے۔ اس بچے کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہیں۔ اور ہم سب کے لیے صبر کی دعا فرمائے رہیں۔ یہ آپ سب کا ہم سب پر احسان ہو گا۔ شکریہ!

یہ الفاظ لکھتے وقت میں سوچ رہا ہوں۔ یہ دنیا کس قدر بے ثبات ہے۔ بہت جلد میری باری بھی آنے والی ہے اور آپ کی بھی۔ لہذا اس سے پہلے پہلے موت کی تیاری کر لینی چاہیے۔

زندگی ضائع کرنے کے لیے نہیں ہے۔ جب کہ ہم اس زندگی کا زیادہ تر حصہ ضائع ہی کر دیتے ہیں۔ اور جب اس بات کا ہوش آتا ہے کہ ہم نے تو زندگی کا بہت زیادہ حصہ ضائع کر دیا ہے تو وقت اس قدر بیت چکا ہوتا ہے کہ افسوس ہونے لگتا ہے۔

میرے محسوسات اس وقت یہی ہیں۔ میں نے زندگی کو بہت زیادہ ضائع کر دیا ہے۔ اس کا افسوس مرتے دم تک رہے گا۔ لیکن جس قدر یہ باقی ہے۔ اس کو تو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ اسے اللہ تعالیٰ کے احکامات کے عین مطابق اگر گزاریں گے تو پھر یہ ضائع نہیں ہو گی اور نہ ہمیں ضائع ہونے دے گی۔

آپ بھی آج سے ہی عہد کر لیں۔ یہی وقت کی آواز ہے!

فقط:

یکم جولائی ۱۹۹۴ء

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں —
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا —
- کل آپ کا کوئی ٹیسٹ یا امتحان تو نہیں —
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا —
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیجیے۔ پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیجیے، پھر ناول پڑھیے۔ شکریہ!

مخلص

اشتیاق احمد

یہ کیا

"راجو دادا — ذرا یہ دیکھیے — کیا ہے؟"

"کیا ہے؟" راجو دادا اپنے بیرے کی آواز سن کر یک دم مڑا۔ اس نے دیکھا، بیرا ایک میز کو حیرت زدہ انداز میں دیکھ رہا تھا —

"کیا اس میز سے تیل نکل آیا ہے؟" راجو دادا نے بُرا سا منہ بنایا۔

"نہیں — لیکن آپ آ کر دیکھ لیں۔"

"بھئی سیدھی سادی میز ہے — اور اس میں کیا خاص بات ہے؟"

"میں اس پر کچھ دیکھ رہا ہوں۔"

اب راجو دادا آگے بڑھا — میز کے نزدیک پہنچ کر اس نے میز کی سطح کو دیکھا، لیکن وہاں اسے کچھ بھی نظر نہیں آیا — میز بالکل خالی تھی —

"یہاں کیا ہے — کیوں میرا وقت ضائع کرنے پر تُل گئے ہو؟"

"آپ نے دھیان نہیں دیا — میز کی سطح کو غور سے دیکھیے — کیا آپ کو کچھ نظر نہیں آ رہا؟"

"اوہ! لکھا ہوا — ہاں لکھا ہوا تو نظر آ رہا ہے — تو پھر؟" راجو دادا نے بُرا سا منہ بنایا۔

"حیرت ہے — آپ اس قدر جلد بھول گئے — اپنے ہوٹل کے سب سے بہترین گاہک کو۔"

"کیا کہا — بہترین گاہک کو — تمہارا اشارہ مسٹر مُونی کی طرف ہے؟"

"اب یاد آیا آپ کو — یہ دیکھیے — وہ بالکل اسی انداز میں میز کی سطح پر اپنے دستخط کرنے کا عادی تھا — جب بھی یہاں اس میز پر آ کر بیٹھتا — دستخط کیے بغیر نہیں جاتا تھا۔"

"ہاں! لیکن مُونی اب اس دُنیا میں کہاں — اگر وُہ زندہ ہوتا تو پولیس ضرور اسے ڈھونڈ نکالتی — اور پورا شہر جانتا ہے کہ پولیس نے اسے تلاش کرنے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا تھا — پورے شہر کو کھنگال ڈالا تھا اس نے، لیکن پھر بھی اس کا کوئی سُراغ نہیں مل سکا تھا — یُوں بھی

اب تو پورا شہر اس سے نفرت کرتا ہے — کوئی اگر زندہ بھی ہو تو کیا ہے۔"

"سوال یہ ہے سر — اتنی مدت بعد آخر وُہ ہمارے ہوٹل میں کہاں سے آ ٹپکا — یہ دستخط ظاہر کر رہے ہیں کہ اس نے یہاں بیٹھ کر کھانا بھی کھایا ہے۔"

"یہ میز آج کل کالے خان کے پاس ہے — بلاؤ اسے۔"

"اب تک وُہ سونے کے لیے لیٹ چکا ہوگا — خیر میں بُلا کر لاتا ہوں۔"

اس وقت رات کا ایک بج رہا تھا — بارہ بجے وُہ ہوٹل بند کر دیا کرتے تھے — لیکن آج انھیں کچھ زیادہ دیر ہو گئی تھی — اور اس دیر کی وجہ یہ تھی کہ ہوٹل میں کچھ غیر مُلکی لوگ آ گئے تھے — ان کے آرڈرز پورے کرتے کرتے یہ وقت آ گیا تھا —

بیرا جلد ہی ایک دُوسرے بیرے کو بُلا لایا — اس کے چہرے پر گھبراہٹ ٹپک رہی تھی —

"کیا ہوا سر — کیا مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی؟"

"نہیں — آج تمہاری میز پر کتنے آدمیوں نے کھانا کھایا؟" راجو دادا نے کہا۔

"جی — صرف تین آدمیوں نے — میری میز پر آج

دش بہت کم رہا۔"

"کیا تم ان تینوں کو پہچانتے ہو؟"

"جی نہیں — ان میں سے دو کو میں جانتا ہوں — وہ سیٹھ بادو اور سر غالب تھے۔"

"گویا تیسرا آدمی تمہارے لیے اجنبی تھا۔"

"جی ہاں!" اس نے کہا۔

"لیکن ہم جانتے ہیں — ہمارے ہوٹل میں اجنبی لوگ بہت کم آتے ہیں — غیر ملکی تو ضرور ہمارے لیے اجنبی ہوتے ہیں، لیکن — شہر کے سب لوگ جو یہاں آتے ہیں — وہ جانے پہچانے ہوتے ہیں — اور یہ اس لیے بھی کہ ہمارا ہوٹل دنیا کا مہنگا ہوٹل ہے — عام لوگ تو یہاں آنے کی جرأت تک نہیں کرتے — لہٰذا اجنبی آدمی کو دیکھ کر تم چونکے تو ہو گے۔"

"جی ہاں! چونکا تھا — لیکن کسی اجنبی گاہک کو میں روک تو نہیں سکتا تھا — پھر وہ شخص جو بل ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہے — ہوٹل میں آ سکتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو — ویسے کیا تم اس اجنبی شخص کا حلیہ بتا سکتے ہو؟"

"ہاں! بتا سکتا ہوں — اس کا قد درمیانہ تھا — قدرے

بھاری جسم کا مالک تھا — رنگ سانولا، سر بڑا، چہرہ گول اور ناک موٹی — بال سیاہ کالے۔"

"کیا کہا — ناک موٹی؟" راجو دادا نے چونک کر کہا۔

"ہاں! اس کی ناک بہت موٹی تھی۔"

"ٹھیک ہے، تم جا سکتے ہو۔"

وہ بیرا چلا گیا —

"اب کیا کہتے ہو — صوفی کی ناک تو بہت پتلی تھی۔"

"لیکن آپ یہ بھی تو سوچیں کہ اگر وہ جانی پہچانی کسی جگہ پر آئے گا تو اپنی اصل شکل صورت میں کس طرح آ سکتا ہے — پولیس تو اب بھی اسے فوراً گرفتار کرے گی۔"

"ہاں! یہ تو ہے — لیکن ہمیں آخر اس سے کیا — ہم کیوں الجھن میں پڑیں؟"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں — آئیے — میں دروازہ بند کر رہا ہوں۔"

دروازہ بند کر کے بیرا اپنے کمرے میں آ گیا — لیکن میز اس کی آنکھوں سے دور نہ تھی — اچانک اسے ایک خیال آیا — اس نے فون کا ریسیور اٹھایا اور کسی کے نمبر ملائے — جلد ہی دوسری طرف سے ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی:

"ہلو — خان امجد بات کر رہا ہوں۔"

"اور یہ میں ہوں سر — داؤد۔"

"سر داؤد — میں کسی سر داؤد کو نہیں جانتا۔" دوسری طرف سے جھنجلا کر کہا گیا۔

"سر کا لفظ میں نے آپ کے لیے بولا ہے — میرا نام صرف داؤد ہے۔"

"میں کسی صرف داؤد کو بھی نہیں جانتا۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"آپ ہوٹل سالان کے بیرے داؤد کو بھی نہیں جانتے"

"اوہ تو یہ تم ہو داؤد — بھلا میں تمھیں کیسے نہیں جانوں گا۔" دوسری طرف سے خان امجد نے کہا۔

"جی ہاں! میں آپ کا پرانا خادم جو ہوا۔"

"کیسے یاد کیا — کیا مجھ سے کوئی کام ہے؟"

"آپ کو اپنے دوست مونی یاد ہیں؟"

"اس کا نام نہ لو — اس نے تو سب کی ناک کٹوا دی لٹیا ڈبو دی — اپنے ساتھ مجھے بھی لے بیٹھا — وہ اور میں کتنے گہرے دوست تھے — ہماری دوستی پورے شہر میں مشہور تھی — لوگ ہمیں لنگوٹیا یار کہتے تھے — لیکن اس نے جو سیاہ کارنامہ انجام دیا — اس

نے میرے منہ پر بھی کالک مل دی — دوستی کے نام پر ایک بہت بڑا دھبہ لگا دیا اس نے — اب تو میں کسی کو دوست بناتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں۔"

"لیکن سر — آپ پہلے میری بات بھی تو سن لیں۔" داؤد نے گھبرا کر کہا۔

"اوہ ہاں! معاف کرنا داؤد — دراصل تم نے مونی کا نام لیا تھا، بس مجھے غصہ آ گیا۔"

"اور میں نے اس کا نام بلاوجہ نہیں لیا۔"

"بات کیا ہے؟"

"آج مونی ہوٹل میں آیا تھا — اس نے کھانا بھی کھایا تھا۔"

"نن — نہیں — یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" خان امجد نے چلا کر کہا۔

"یہ ہوا ہے — میں یہ بات ثابت کر سکتا ہوں — لیکن مجھے اس وقت پتا چلا، جب وہ جا چکا تھا۔"

"آخر تم یہ بات کس طرح کہہ سکتے ہو؟"

"آپ اگر یہاں آ جائیں تو میں آپ کو دکھا سکتا ہوں، لیکن آپ ہوٹل کے پچھلی طرف میرے کوارٹر پر آئیے گا۔ کیونکہ ہوٹل بند ہو چکا ہے — وجو ذرا جا چکا ہے — بس

آپ کو لے کر ہال میں جاؤں گا اور آپ کو دکھاؤں گا۔"

"اچھا بات ہے، میں آ رہا ہوں۔"

ایک گھنٹے بعد خان امجد داؤد کے پاس پہنچ گئے۔

اب دونوں ہال میں آگئے۔ لائٹ آن کی گئی۔ داؤد انھیں لیے میز کی طرف بڑھا:

"آئیے میں آپ کو دکھاتا ہوں۔ وہ میری میز پر ہی آکر بیٹھا تھا۔ پہلے جب وہ غائب نہیں ہوا تھا تو میری میز پر ہی کھانا کھایا کرتا تھا۔"

"یہ بات میں جانتا ہوں۔" خان امجد نے کہا۔

"اس کی ایک زبردست عادت تھی۔ کہ کھانا کھانے کے دوران۔ بیرپن سے میز کی سطح پر اپنے دستخط ضرور کرتا تھا۔ بیرپن اس کے کالر میں لازمی لگی ہوتی تھی۔"

"اوہ! تو کیا وہ آج بھی دستخط کرکے گیا ہے؟"

"ہاں! شاید غیرارادی طور پر اس سے یہ غلطی ہوئی ہے" داؤد نے کہا۔

"اوہ!" خان امجد کے منہ سے نکلا۔

اور پھر دونوں میز کے پاس پہنچ گئے۔

"یہ دیکھیے سر!" داؤد نے خان امجد کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے میز کی سطح کی طرف اشارہ کیا۔

"دیکھ رہا ہوں۔ لیکن تم اس طرف دیکھ کر مجھے دکھاؤنا۔" خان امجد نے منہ بنایا۔

"جی۔ جی ہاں۔ یہ۔ یہ۔ دیکھیے۔ ارے۔ یہ۔ یہ کیا؟"

داؤد کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

دس سال پہلے

"سنگ — کیوں — کیا ہوا، کیا بات ہے؟"

"وہ — وہ دستخط صاف ہیں — مطلب یہ کہ کسی نے کھرچ کر صاف کر دیے ہیں۔"

"حیرت ہے — کسی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" خان امجد بولے۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"تم نے اب تک ان دستخطوں کے بارے میں کس کس کو بتایا ہے؟"

"صرف راجو دادا اور آپ کو۔"

"تب یہ کام راجو دادا کے سوا کسی کا نہیں — مجھے اس کے پاس لے چلو۔"

"لیکن راجو دادا کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" داؤد نے حیران ہو کر کہا۔

"ہو سکتا ہے — مونی کی گم شدگی میں اس کا ہاتھ ہو۔"

"ن — نہیں — یہ — یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" داؤد نے گھبرا کر کہا۔

"کیوں — کیا تمہارا راجو دادا کوئی غلط کام نہیں کر سکتا؟"

"م — میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"آؤ — اس سے دو دو باتیں کر ہی لی جائیں۔"

وہ انہیں لیے راجو دادا کے رہائشی حصے کی طرف چل پڑا — راجو دادا ہوٹل کے ہی ایک حصے میں اپنے بیوی بچوں سمیت رہتا تھا — دستک کے جواب میں ایک منٹ بعد اس نے دروازہ کھولا — اس کی آنکھوں میں نیند تھی اور چہرے پر ناگواری تھی:

"کیا بات ہے داؤد — ارے خان امجد — یہ آپ ہیں۔"

"ہاں! یہ میں ہوں — مجھے داؤد نے فون کیا تھا۔"

"لیکن کیوں؟"

"اتنے عرصے کے بعد اس نے مونی کے دستخط ہوٹل کی میز پر دیکھ لیے تھے — فون نہ کرتا تو کیا کرتا۔"

"کیوں داؤد — انہیں تکلیف دینے کی کیا ضرورت تھی؟"

"جی بس — میں شدید بے چینی محسوس کر رہا تھا — آپ نے اس معاملے میں کوئی دلچسپی نہیں لی تھی — میں نے

سوچا — خان امجد تو ٹونی کے گہرے دوست ہیں — کیوں نہ ان سے ذکر کروں۔"

"ہوں! تم سے تو میں بعد میں سمجھوں گا — پہلے ان سے بات کر لوں۔"

"نہیں راجو دادا — تم داؤد کو کچھ نہیں کہو گے — کیا ہو گیا، اگر اس نے مجھے فون کر دیا۔"

"یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے — آپ دخل اندازی نہیں کر سکتے۔" راجو دادا نے جھلا کر کہا۔

"داؤد — اگر یہ حضرت تمہیں اتنی سی بات پر ملازمت سے نکالیں تو میرے پاس چلے آنا — میرے پاس بہت ملازمتیں ہیں۔"

"نن — نہیں سر — یس سر۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"تم نے کیا کہا — نہیں سر یا یس سر۔" خان امجد نے آنکھیں نکالیں۔

"میرا مطلب ہے — یہ مجھے اتنی سی بات پر ملازمت سے کیوں نکالنے لگے۔"

"کوئی بات نہیں داؤد — چلے جانا ان کے پاس — بھئی بنک میں کلرک رکھوا دیں گے یا چپراسی تو ضرور رکھوا دیں گے — ان بے چارے کو کیا پتا — ہوٹل کی نرالی ملازمت

ہے — یہاں کتنی آمدنی ہے — صرف ٹپ سے کتنے پیسے کما لیتے ہو داؤد؟"

"جی — مجھے سات ہزار روپے ماہوار۔"

"اور میں تنخواہ کتنی دیتا ہوں؟"

"تین ہزار روپے۔"

"گویا قریباً دس ہزار روپے تم کماتے ہو — اب اپنے خان امجد سے کہنا کہ دس ہزار روپے کی تنخواہ دلوائے۔"

"دلوا دوں گا، کوئی ایسی بات نہیں۔"

"میری وجہ سے آپ دونوں نہ لڑیں۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"ارے ہاں! پہلے ہم دستخط کے بارے میں بات کر لیں — ہاں تو آج اس ہوٹل کی ایک میز پر ٹونی کے دستخط نظر آئے تھے — بالکل وہی دستخط جو دس سال پہلے کھانا کھاتے ہوئے وہ میز پر بنا دیا کرتا تھا — ویٹروں کی مدد سے۔"

"ہاں سر — یہ اس کی خاص عادت تھی۔" داؤد نے فوراً کہا۔

"میں اس کی اس عادت سے اچھی طرح واقف ہوں، مجھ سے پہلے تم نے وہ دستخط مسٹر راجو دادا کو بھی دکھائے تھے، دکھائے تھے نا؟"

"ہاں جناب، لیکن انھوں نے ان میں کوئی دلچسپی نہ لی تو
میں نے آپ کو فون کر دیا۔"

"اور اس دوران انھوں نے ہوٹل کے ہال میں جا کر
دستخط مٹا دیے۔"

"ہرگز نہیں۔ مجھے کیا پڑی تھی مٹانے کی — میرا ان
دستخطوں سے بھلا کیا جاتا تھا۔"

"کسی نہ کسی نے تو مٹائے ہیں — بہرحال یہ عجیب ترین
معاملہ ہے — اور میں اس پر غور کروں گا — پولیس کو بھی
اطلاع دوں گا — تاکہ وہ ایک بار پھر موتی کی تلاش
شروع کرے — دستخط اس بات کا ثبوت ہیں کہ وہ ابھی
زندہ ہے — ورنہ پہلے تو ہم یہی خیال کرتے رہے تھے
کہ اسے بنک میں ڈاکے کی واردات کے بعد موت کے
گھاٹ اتار دیا گیا ہوگا۔"

"اگر وہ زندہ ہے تو سامنے کیوں نہیں آتا۔" راجو دادا
نے منہ بنایا۔

"یہ معاملہ پولیس کا ہے، وہی اسے تلاش کرے گی۔"
اور پھر خان امجد وہاں سے نکل گئے — کمرے میں اب
راجو دادا اور داؤد کھڑے رہ گئے۔

"اب تم کیا کہتے ہو؟" راجو دادا بولا۔

"تم — میں — کیا کر سکتا ہوں۔"

"تم ابھی اور اسی وقت یہاں سے اپنا بستر بوریا گول
کر جاؤ۔"

"اچھی بات ہے — مجھے نہیں معلوم تھا کہ میری اتنی ذرا
سی خطا کی اتنی بڑی سزا دیں گے، لیکن ذرا سوچیں —
ایک شخص جس سے ہمارے ہوٹل کا گہرا تعلق تھا — دس سال
پہلے غائب ہوا — اور پولیس کے تلاش کرنے کے باوجود کہیں
نہ مل سکا — دس سال تک اس کا کوئی پتا نہ چلا — لیکن
آج اچانک وہ ہمارے ہوٹل میں آیا اور اپنے دستخط پھر
پر کر کے چلا گیا — ان حالات میں میں اگر الجھن میں مبتلا ہو
گیا تو اس میں میرا کیا قصور۔"

"کوئی قصور نہیں — لیکن تم نے خان امجد کو کیوں اطلاع
دی — اب یہ بات سارے شہر میں پھیل جائے گی۔"

"تو پھیل جائے — اس سے آپ کو کیا فرق پڑ جائے گا۔"

"تم سمجھے نہیں — یہاں بار بار پولیس آئے گی — مجھے پریشان
کرے گی — میرے بارے میں پہلے ہی پولیس ایک مدت
سے یہ خیال قائم کر چکی ہے کہ میرا تعلق جرائم پیشہ لوگوں
سے ہے اور یہ کہ میں خود بھی غیر قانونی دھندے کرتا ہوں،
پولیس اب مجھے جتنا تنگ کرے گی — تم سوچ بھی نہیں

سکتے — اور پھر ان دستخطوں کا مٹا دیا جانا — اور یہی میرے حق
میں خطرناک ہے — پولیس خیال کرے گی کہ دستخط میں نے
مٹائے ہیں۔"

"اوہ — واقعی — ان باتوں کی طرف تو میرا دھیان گیا
ہی نہیں۔"

"اگر تم خان امجد کو فون کرنے سے پہلے مجھ سے بات
کر لیتے تو بھی ٹھیک تھا — میں تمہیں روک دیتا — لیکن
تم نے مجھ سے بات تک نہیں کی اور خان امجد کو فون کر
دیا — یہ شخص پہلے ہی مجھے ناپسند ہے — اور وہ بھی
مجھے پسند نہیں کرتا — ان حالات میں وہ اس معاملے کو اس
قدر اچھالے گا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"ہم — میں معافی چاہتا ہوں — آپ مجھے نوکری سے
نہ نکالیں — میں خان امجد کو خاموش رہنے پر مجبور کر
دوں گا۔"

"تم اور اسے مجبور کر دو گے — بھول ہے تمہاری —
وہ بہت ضدی آدمی ہے۔"

"آپ مجھے ایک موقع تو دے دیں۔"

"ٹھیک ہے — اگر یہ معاملہ دبا رہ گیا تو میں تمہیں ملازمت
سے نہیں نکالوں گا۔"

"شکریہ سر — بہت بہت شکریہ۔" داؤد خوش ہو گیا اور
اسی وقت اپنی موٹر سائیکل پر سوار ہو کر خان امجد کی
کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا —

اس کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں —
اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اسے اس طرح
دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا جائے گا —
جلد ہی وہ خان امجد کی کوٹھی کے دروازے پر دستک دے
رہا تھا —

خان امجد نے اسے دیکھ کر حیرت زدہ انداز میں
پلکیں جھپکائیں:

"خیر تو ہے — داؤد۔"

"راجو دادا نے آپ کے جانے کے فوراً بعد مجھے
نوکری سے نکال دیا۔"

"اوہ نہیں۔" وہ بولے۔

"اب میں آپ کے پاس آیا ہوں۔"

"تم فکر نہ کرو — صبح ہی تمہیں ملازمت مل جائے گی —
آخر میں اپنے بنک کا ڈائریکٹر ہوں۔" انھوں نے کہا۔

"اللہ آپ کا بھلا کرے — کیا آپ نے اخبارات کو یہ
خبر دے دی ہے؟"

دستخط والی خبر ؟ وہ بولے۔

"ہاں ، راجو دادا اس سلسلے میں بہت خوف زدہ ہے۔"

"ہاں ٹھیک ہے ۔۔ میں ابھی اخبارات کو فون کرتا ہوں ، تم اب واپس ہوٹل کا رُخ نہ کرنا ۔۔ یہیں کہیں سو جاؤ ۔۔ بہت کمرے خالی پڑے ہیں ۔۔ بستر بھی مل جائیں گے ۔۔ ٹھہرو میں جانو کو جگاتا ہوں ۔۔ اب صبح کے اخبارات راجو دادا کا مزاج پوچھیں گے۔"

خان امجد نے جلدی جلدی کہا ۔۔ تھوڑی دیر بعد وہ باری باری ہر اخبار کے دفتر کو فون کر کے یہ خبر سُنا رہے تھے ۔۔ اخبارات کے لیے یہ خبر حد درجے سنسنی خیز تھی ۔۔ لہٰذا ہر اخبار نے خاص توجہ سے سُرخی اور نمک مرچ لگا کر صبح کے اخبارات کے پہلے صفحے کی زینت بنا دی ۔۔

پورے شہر میں ہل چل سی مچ گئی ۔۔ پولیس نے فوراً راجو دادا کے ہوٹل کا رُخ کیا ۔۔ راجو دادا پہلے ہی بہت زیادہ پریشان تھا ۔۔ پولیس کو دیکھ کر اس کی پریشانی میں اور اضافہ ہو گیا ۔۔ لیکن پولیس اپنی لاکھ کوشش کے باوجود مُونی کا کوئی سُراغ نہ لگا سکی ۔۔ پھر اخبارات میں یہ مطالبہ نظر آنے لگا ۔۔ اس کیس کی تفتیش انسپکٹر جمشید کے حوالے کی جائے ۔۔

"لیجیے ۔۔ اب آپ کیا کریں گے ۔۔ اب تو کھُلم کھُلا آپ کا نام لیا جا رہا ہے ۔۔ اب تو آپ کو یہ کیس حل کرنا ہی ہو گا۔" محمود نے پُر جوش انداز میں کہا۔

"بھئی ابھی تک سرکاری طور پر یہ کیس میرے سُپرد نہیں کیا گیا ۔۔ جب کیا جائے گا ، تب دیکھیں گے۔" انسپکٹر جمشید مسکرا دیے۔

"ویسے آپ کے خیال میں یہ چکر کیا ہے ۔۔ دس سال پہلے کی کہانی ہم نے اخبارات میں پڑھی ہے ۔۔ مُونی ایک بہترین انجینئر تھا ۔۔ اور بجلی کے جدید ترین آلات کا ماہر بھی ۔۔ قومی بینک کی مرکزی شاخ اس کی نگرانی میں تعمیر کی گئی تھی ۔۔ اس نے اس میں جدید ترین آلات نصب کیے تھے ، لیکن ایک دن اس بینک کو لوٹ لیا گیا ۔۔ اور ساتھ ہی مُونی غائب پایا گیا ۔۔ سب نے یہی خیال کیا کہ مُونی نے اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ خود ہی بینک کو لوٹا ہے ۔۔ اس لیے کہ بینک کو لوٹنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا ۔۔ بینک کی عمارت کے تمام راز اسے معلوم تھے ۔۔ جو آلات

وہاں نصب تھے، وہ خود اس کے نصب کردہ تھے۔ لہٰذا واردات کرنا اس کی مدد کے بغیر تو ممکن ہی نہیں تھا۔ اب یا تو یہ کام خود اس نے اپنے کچھ ساتھیوں کی مدد سے کیا تھا یا پھر مجرموں کے کسی گروہ نے اس کی خدمات حاصل کی تھیں۔ بہرحال اس واردات میں بنک کے قریباً چھتیس کروڑ روپے اڑائے گئے تھے۔ اور لاکروں میں جو کچھ تھا۔ وہ بھی صاف کر دیا گیا تھا۔ اس لحاظ سے یہ دس سال کی دُنیا کی سب سے بڑی ڈکیتی کی واردات تھی۔"

"ہاں، کہانی یہی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس واردات میں موٹی کا ہاتھ تھا۔ موٹی کے بغیر بنک نہیں لوٹا جا سکتا تھا۔ اور اس واردات کے روز سے اس کا غائب ہونا اس بات کا ثبوت ہے۔ اس روز کے بعد موٹی کو کسی نے نہیں دیکھا۔ پولیس نے سارا شہر کھنگال مارا تھا۔ مجرموں کے تمام اڈوں کو اور باقی تمام جگہوں پر اسے تلاش کیا گیا تھا۔ صدرِ مملکت تک نے اس کیس میں دلچسپی لی تھی۔ مجھے یاد ہے۔ پولیس کی ان دنوں مصیبت آئی ہوئی تھی۔ نیچے سے لے کر اُوپر تک سب کے سب حرکت میں تھے۔ لیکن ہوا کیا۔

موٹی کا کہیں نام و نشان تک نہ مل سکا۔ اس وقت حکام نے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ موٹی اس واردات میں شریک ضرور تھا۔ لیکن جرائم پیشہ گروہ کے سردار نے واردات کے بعد اس کا کام تمام کر دیا اور لاش کو یا تو کہیں بہت گہرائی میں دفنا دیا یا پھر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے سمندر میں پھینک دیے اور وہ سمندری مخلوق کے پیٹوں میں پہنچ گیا، لہٰذا اب موٹی ملے تو کیسے۔ اس کے نہ ملنے کے بعد صدرِ مملکت کو بھی رپورٹ پیش کی گئی تھی۔ لیکن آج یہ شوشہ ایک بار پھر اُٹھ کھڑا ہوا تھا اور ایسا ہوٹل کالان کے بیرے داوَر کی وجہ سے ہوا تھا۔ اس لیے کہ دس سال پہلے موٹی اس کی میز پر بیٹھ کر کھانا کھاتا تھا اور اس کی یہ خاص عادت تھی کہ کھانے کے بعد کالر میں سے پن نکالتا تھا اور اس سے میز پر دستخط کرتا تھا۔ اب بھی دستخط اسے اسی ایک بار پھر نظر آئے تھے۔" انسپکٹر جمشید یہ کہہ کر رک گئے۔

"اور اب یہ کیس آتا ہے۔ ہمارے پاس۔ دس سال پہلے یہ کیس آپ کے سپرد کیوں نہ کیا گیا؟"

"بھئی دس سال پہلے اُن دنوں میں پتا نہیں کہاں تھا، مجھے نہیں یاد پڑتا کہ اس کیس میں میں نے کوئی حصہ لیا

تھا یا نہیں — لیکن خیر — اب حقہ لے لیتے ہیں — ایک بار پھر صدر صاحب نے ہدایات جاری کی ہیں — کیس اگرچہ میرے سپرد کر دیا گیا ہے، لیکن باقی شعبے بھی اس پر کام کریں گے — گویا تمام پارٹیاں مونی کو تلاش کریں گی۔"

"بھئی واہ! پھر تو بہت مزا آئے گا۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"وہ کیسے؟" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"اور کیا — مجھے تو دور دور تک مزا نظر نہیں آتا۔"

"بھئی میرا مطلب ہے — اب دیکھیں گے — کون سی پارٹی جیتتی ہے۔"

"سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم اس کیس کو کہاں سے شروع کریں۔"

"صاف ظاہر ہے — ہوٹل کالان سے ہی شروع کریں گے۔" محمود نے کہا۔

"ہاں اور مونی کے گھر سے بھی — اس لیے کہ مونی کے گھر والے تو مونی کے ساتھ غائب نہیں ہوئے تھے — اگر وہ زندہ ہے تو کسی نہ کسی طرح اپنے گھر والوں سے ملاقات ضرور کرتا ہو گا — یا دور سے انھیں دیکھنے ضرور آتا ہو گا۔"

"تو پھر دیر کا ہے کی — چلیے اسی وقت سے کام شروع کرتے ہیں۔"

"اس وقت ہوٹل کالان کے مالک راجو دادا اور اس بیرے داؤد کا برا حال ہو گا — اس وقت تک نہ جانے کتنے آفیسر ان سے پوچھ گچھ کر چکے ہوں گے اور اسی طرح مونی کے گھر والوں کا بھی ناک میں دم آیا ہوا ہو گا — کیا ان حالات میں ہم بھی جا کر انھیں تنگ کریں؟"

"تب پھر آپ کا کیا پروگرام ہے — ان سے ملے بغیر ہم کوئی بات کس طرح معلوم کر سکتے ہیں۔"

"تم مونی کے گھر والوں کے ہاں مہمان بن کر چلے جاؤ۔"

وہ مسکرائے۔

"جی — آپ کا مطلب ہے — بن بلائے مہمان۔"

"ہاں! مہمان تو تم بن بلائے ہو گے، لیکن تمھیں وہاں باعزت طریقے سے خوش آمدید کہا جائے گا۔"

"اور وہ کیسے؟"

"مونی کے ایک دوست کا میں نے اکرام کے ذریعے سراغ لگوایا ہے — وہ دوسرے شہر میں رہتا ہے — وہ تم تینوں کے بارے میں بیگم مونی کو فون کرے گا — کہ تم ان کے ہاں چند دن رہنے کے لیے آ رہے ہو۔"

"ارے واہ — لیکن ابّا جان۔ وہ کیوں لگا فون کرنے؟"

"بھئی اس دوست سے ہم نے بات کر لی ہے نا۔"

"چلیے یہ تو ہوا — ہم میک اپ میں وہاں چلے جاتے ہیں — لیکن ذرا سوچیں — اگر آپ اس کے کسی دوست کا سُراغ لگا سکتے ہیں۔ تو کیا — اس دوست کو مونی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکتا۔"

"اوہ!" انسپکٹر جمشید زور سے اُچھلے — ان کی آنکھوں میں تیز چمک نمودار ہوئی اور پھر غائب ہو گئی — وہ پُر سکون ہو کر بولے:

"اس میں شک نہیں کہ یہ ایک بہت زوردار نقطہ ہے۔ اور میں اکرام کو ساتھ لے کر ابھی اور اسی وقت اس دوست کے پاس جا رہا ہوں — تم لوگوں کے بارے میں وہ فون کر چکا ہے — اور تم آج رات آٹھ بجے وہاں پہنچ رہے ہو۔ اس نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ تم لوگوں کو لینے کے لیے ایر پورٹ جانے کی ضرورت نہیں، خود پہنچ جائیں گے۔ لہٰذا تم ایک ٹیکسی میں وہاں جاؤ گے — تمھارے ساتھ مختصر سا سامان بھی ہوگا — میں بھی سیدھا اس دوست کے پاس جا رہا ہوں۔"

"اور اس دوست کا نام کیا ہے؟"

"نام ہے — انصار قاسم۔" انھوں نے بتایا۔

"اور یہ حضرت کام کیا کرتے ہیں؟"

"سنا ہے — پہلے ایک معمولی سا کاروباری آدمی تھا۔ آج کل بہت دولت مند کاروباری ہے۔"

"تب تو اس پر شک کیا جا سکتا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"شک کرنے سے یوں بھی ہمارا کیا جاتا ہے۔" وہ مسکرائے۔ پھر انھوں نے اکرام کو فون کیا — وہ فوراً ہی ان کے پاس پہنچ گیا۔

"معلوم ہوتا ہے — آپ اسی وقت کیس پر کام شروع کر رہے ہیں۔"

"کر رہے ہیں نہیں انکل — کر چکے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"بھئی اکرام — فرزانہ نے ایک زوردار خیال دیا ہے۔ اور وہ یہ کہ اس معاملے میں مونی کا دوست انصار قاسم بھی تو شریک ہو سکتا ہے — ہو سکتا ہے — مونی اتنا عرصہ اسی کے پاس رہا ہو۔"

"اوہ — اوہ — لیکن!" اکرام بولا۔

"اوہ اوہ کے بعد یہ لیکن کی ٹانگ کیوں انکل؟"

"اس لیے کہ کیا دس سال پہلے اس دوست کو چیک نہیں کیا گیا ہوگا۔"

"پہلے آپ یہ بتائیں کہ اس دوست کی دریافت کس

طرح ہوتی۔ اس کا پتا آخر کس طرح چلا؟"

"دس سال پہلے کے کاغذات دیکھ کر، اخبارات پڑھ کر۔ انصار قاسم اس کے بچپن کا دوست ہے۔ ایک ساتھ پڑھے لکھے تھے یہ دونوں۔"

"تب پھر اس وقت پولیس نے انصار قاسم کو بھی چیک کیا ہو گا۔"

"ہاں! یہ ضرور کیا تھا۔ لیکن کچھ بہت بڑے لوگوں نے اس بات کی ذمے داری لی تھی کہ اس معاملے میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔"

"اوہ! تب تو معاملہ گڑبڑ ہو سکتا ہے۔ اکرام تم میرے ساتھ اسی وقت چل رہے ہو۔ ہم اس سے ملیں گے۔"

عین اس لمحے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

بیکن کیسے

"ہیلو انسپکٹر جمشید بات کر رہے ہیں؟" ایک کھردری آواز سنائی دی۔

"ہاں!" وہ بولے۔ ساتھ ہی ان کا منہ بن گیا۔ اس لیے کہ وہ جان گئے تھے۔ بات کرنے والا آواز بدل کر بات کر رہا تھا۔

"میں نے سنا ہے۔ مونی کیس آپ کے حوالے کر دیا گیا ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"یہ ٹھیک ہے۔ پھر۔"

"آپ اس کیس میں ہاتھ نہ ڈالیں۔"

"وہ کیوں؟"

"اس لیے کہ اس طرح بہت خون خرابہ ہو گا۔ باقی لوگوں کو میں دیکھ لوں گا۔ بغیر خون خرابے کے کام چلا لوں گا۔ کیونکہ باقی لوگوں کو دولت سے خریدا جا سکتا ہے

تو خون بہانے کی ضرورت پیش نہیں آتی — کیا آپ چونک نہیں جائیں گے — لہٰذا آپ سے جنگ کرنا ہو گی — اور اس جنگ میں دونوں فریقوں کا خون بہے گا۔"

"ہم فرض کے ہاتھوں مجبور ہیں — اس لیے خون بہے یا جان جائے — ہم پروا نہیں کرتے۔"

"دیکھ لیں اور خوب سوچ لیں — اگر آپ نہ مانے تو پہلے مرحلے پر آپ کی بیگم کو اغوا کرا لیا جائے گا۔"

"اگر تم نے ایسی ذلیل حرکت کی تو پھر تم میرے ہاتھوں سے بچ نہیں سکو گے — کیا تم مونی ہو؟"

"ہاں! میں مونی ہوں۔" اس نے قہقہہ لگایا۔

"اچھا مسٹر مونی — اب باقی باتیں ملاقات ہونے پر ہوں گی۔"

"ہماری ملاقات کبھی نہیں ہو گی — میرے پاس اتنے آدمی ہیں — انھیں راستے سے ہٹاتے ہٹاتے تم تھک جاؤ گے — لیکن مجھ تک نہیں پہنچ سکو گے — مجھ تک پہنچتے پہنچتے تو تم ہو جاؤ گے بوڑھے۔"

"اگر میں تم تک پہنچتے پہنچتے بوڑھا ہو گیا تو کیا — میرے بچے بھی تو جوان ہو جائیں گے۔"

"وہ میرے ہاتھ سے بچ سکیں گے تب نا — ان کا

انتظام تو میں پہلے ہی کیے دے رہا ہوں — ان پر ماتم کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"اسلام نے ماتم کرنے کی اجازت نہیں دی — جو لوگ ماتم کرتے ہیں، وہ اسلام کے اس واضح حکم کی نفی کرتے ہیں — لہٰذا میں ماتم نہیں کروں گا — ہاں خاموشی سے آنسو ضرور بہا سکتا ہوں، اگر تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تب۔"

"دس سال ہو گئے — کوئی میرا سراغ نہیں لگا سکا — اب کوئی کیا لگائے گا؟"

تو پھر دس سال بعد ہوٹل کالان کی میز پر مونی کے دستخط کیوں دیکھے گئے؟

ان الفاظ کے فوراً بعد ریسیور رکھ دیا گیا۔

"وہ میرے اس سوال کا جواب دینے کے لیے تیار نہیں۔"

انسپکٹر جمشید نے بھی مسکراتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔

"اس کا مطلب ہے — اس کے ارادے خطرناک ہیں۔"

"ہاں! وہ نہیں چاہتا کہ اس کیس پر ہم کام کریں — باقی لوگوں کی اسے کوئی پروا نہیں ہے — جانتے ہو، اس بات کا کیا مقصد ہے؟"

"جی ہاں! یہ کہ دس سال پہلے بھی اس نے لوگوں کو

بڑی بڑی رقمیں دے کر خاموش کر دیا تھا — یعنی اس کیس پر جو لوگ کام کر رہے تھے — انھیں خرید لیا گیا — اور انھوں نے جو کارروائی بھی کی تھی — وہ سب فرضی تھی — یعنی بس دکھاوے کی بھاگ دوڑ — سنجیدگی سے کسی نے سُراغ لگانے کی کوشش کی ہی نہیں تھی۔"

"چلیے — یہ بات تو معلوم ہوئی — اس نے ان لوگوں کو پہلے ہی بڑی بڑی رقمیں دے دی ہوں گی، تاکہ وہ اس تک پہنچنے کی کوشش ہی نہ کریں۔"

"اب رہی یہ بات کہ وہ ہمارے راستے میں روڑے اٹکانے کی کوشش کرے گا — تو ہم اسے دیکھ لیں گے۔" محمود نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"اس کے روڑے خطرناک ہیں — احتیاط کی ضرورت ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"کوئی بات نہیں — آپ فکر نہ کریں — اور اب ہمیں اجازت دیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔"

پندرہ منٹ بعد تینوں ایک چھوٹے سے سوٹ کیس کے ساتھ گھر سے باہر نکلنے کے لیے تیار ہو چکے تھے۔

"کیا اسی طرح باہر نکل جاؤ گے؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی نہیں — پہلے ہم چیک کریں گے کہ دشمن کے باہر آدمی ہیں یا نہیں۔"

"بہت خوب! تو پھر چیک کر کے مجھے بتاؤ۔"

محمود نے فوراً چھت کا رُخ کیا — جلد ہی اس کی واپسی ہوئی — اس نے آ کر بتایا:

"یار لوگ چاروں طرف موجود ہیں — اور چار گاڑیوں میں چار آدمی بالکل چوکس بیٹھے ہیں۔"

"بہت خوب، تب تو اس شخص کو ماننا پڑے گا۔"

"چلیے مان لیتے ہیں — ہمارا کیا جاتا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"بہر حال میں چاہتا ہوں — تم اس طرح موئی کے گھر پہنچو کہ یہ لوگ تمھاری گرد کو بھی نہ پہنچ سکیں۔"

"جی بہت بہتر — ہم گرد کو ساتھ ہی نہیں لے جائیں گے، اس کو پہنچ کیسے سکیں گے۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"باتیں کم اور کام زیادہ — اچھا اب جاؤ۔"

تینوں سیڑھیوں کی طرف چلے گئے۔

"یہ کیا سر — یہ کس طرف سے جا رہے ہیں۔"

"یہ جانتے ہیں — ان حالات میں انھیں کیا کرنا ہوتا ہے۔" وہ مسکرائے۔

"لیکن میں دیکھنا چاہتا ہوں۔" اکرام نے کہا۔

"تو پھر چھت پر چلے جاؤ۔ اور دیکھتے رہو۔ یہ کیا کرتے ہیں۔" وہ بولے۔

"او کے سر۔"

اکرام بھی چھت پر آ گیا۔ اس وقت تک وہ تینوں بیگم شیرازی کی چھت پر پہنچ چکے تھے۔ انھوں نے مڑ کر دیکھا اور ہاتھ ہلا دیے۔ اکرام نے بھی ہاتھ ہلایا۔ وہ بیگم شیرازی کی چھت سے بھی آگے تیسری چھت پر چلے گئے۔ اسی طرح انھوں نے چھے چھتیں طے کیں، پھر چھٹے گھر کی سیڑھیوں پر اترنے لگے۔ اب وہ اکرام کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

اکرام نے نیچے کا رخ کیا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"کیوں۔ کیا دیکھا؟"

"چھٹی چھت پر پہنچ کر وہ سیڑھیاں اترے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک۔ اس گھر کا پچھلا دروازہ ایک گلی میں کھلتا ہے اور وہ گلی ایک دوسری سڑک پر نکلتی ہے۔ اس سڑک پر پہنچ کر وہ ٹیکسی پکڑیں گے اور یہ لوگ یہیں کھڑے رہ جائیں گے۔"

"اور کیا اس گھر کے مالک کو ان کے بارے میں معلوم ہے؟" اکرام نے کہا۔

"اس سے تو ان کی گہری دوستی ہے۔ زینے پر جا کر جب

یہ آہستہ سے ٹھک ٹھک کریں گے تو وہ فوراً سمجھ جائے گا۔"

"بہت خوب! مان گیا میں تو انھیں۔"

"تو پھر اب ہم چلتے ہیں۔"

"اور ہم کس راستے سے چلیں گے؟"

"سیدھے راستے سے۔ لیکن خون خرابے سے بچ کر۔ اور اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ تم اپنے سادہ لباس والوں کو بلا لو۔"

"جی۔ کیا مطلب؟"

"بھئی پہلے ہم انھیں گرفتار کیوں نہ کریں۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کو تو طے شدہ وقت پر وہاں جانا تھا۔ ہمارے ساتھ تو ایسی کوئی مجبوری نہیں۔ دوسرے شہر جانا ہے۔ چلے جائیں گے۔"

"بات ٹھیک ہے۔" اکرام نے کہا اور اپنے ماتحتوں کو وائرلیس پر ہدایات دینے لگا۔ پندرہ منٹ بعد ان کے گھر کے چاروں طرف موجود غنڈوں کو گرفتار کیا جا چکا تھا۔ اور اب وہ سب ان کے گھر کے صحن میں بندھے ہوئے پڑے تھے۔

"کیوں بھئی۔ کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ ہمارے گھر کی نگرانی کیوں کر رہے تھے؟" انسپکٹر جمشید ان کے سامنے کرسی پر بیٹھے ہوئے بولے۔

"باس کا حکم۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"اور آپ کے باس کا حکم کیا تھا؟"

"اس گھر کی نگرانی کرنا — یہاں کوئی آتا تو اس کی آمد وغیرہ نوٹ کرتے — یہاں سے کوئی کہیں جاتا تو ہم اس کا تعاقب کرتے۔"

"ہوں! لیکن کیوں — ایسا کرنے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟"

"باس کا حکم۔" اس نے پھر مشینی انداز میں کہا۔

"آپ کے باس کون ہیں — کہاں ملیں گے؟"

"یہ بات ہمیں معلوم نہیں۔" دوسرا بولا۔

"اور یہ بات کسے معلوم ہے؟"

"باس کو۔" تیسرے نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"یہ بات صرف باس کو معلوم ہے کہ باس کون ہے — اور وہ کیا چاہتا ہے — ہمیں نہیں معلوم۔"

"تم لوگوں کو اس کا ٹھکانا تو معلوم ہو گا؟"

"نہیں — بالکل نہیں۔" پہلے نے کہا۔

"آخر وہ تم سے رابطہ کس طرح کرتا ہے — کم از کم یہ تو تم بتاؤ گے ہی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"بذریعہ فون۔"

"اور تم کہاں بیٹھتے ہو؟"

"بھارت بلڈنگ۔"

"کیا بھارت بلڈنگ باس کی اپنی ہے؟"

"جی نہیں — اس نے کرائے پر لے رکھی ہے۔"

"شکریہ — اس عمارت کا پتا بتا دو۔"

"۱۴ المان روڈ۔"

اکرام نے پتا لکھ لیا۔

"کیا باس کبھی اس عمارت میں خود بھی آتا ہے؟"

"جی نہیں — وہ کبھی نہیں آیا — صرف اس کے فون ہمیں ملتے ہیں۔"

"اچھا — تم لوگوں کو تنخواہ یا اپنا حصہ کس طرح ملتا ہے؟"

"بذریعہ ڈاک — نقد رقم بھیج دیتا ہے وہ ہمیں رجسٹرڈ لفافوں میں۔"

"اوہ!" وہ حیران رہ گئے۔

"کیوں سر — اس میں حیرت کی کیا بات؟" اکرام نے حیران ہو کر کہا۔

"اس کے طریقۂ کار پر حیرت ہو رہی ہے۔" یہ کہہ کر وہ پھر ان کی طرف مڑے:

"اور رقم کا لفافہ اسی عمارت کے پتے پر آتا ہے؟"

"جی ہاں!"

"کُل کتنے آدمی اس کے لیے کام کرتے ہیں؟" انھوں نے پُوچھا۔

"اس عمارت میں تو صرف دس آدمی ہوتے ہیں ۔۔ جو آپ کو یہاں نظر آ رہے ہیں ۔۔ اور کتنے آدمی اس کے لیے کام کرتے ہیں، یہ بات ہمیں معلوم نہیں۔"

"اور یہ کہ ۔۔ اور آدمی کہاں جمع ہوتے ہیں ۔۔ یہ بات بھی تمھیں معلوم نہیں؟" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ہاں جی ۔۔ بالکل۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے ۔۔ کہ بس تم دس ہی اس کے لیے کام کرتے ہو ۔۔ اور آدمی ہوں ہی نہ۔"

"جی ہاں! اس بات کا بھی امکان ہے۔"

"اچھی بات ہے ۔۔ تم کتنے عرصے سے اس کے لیے کام کر رہے ہو؟"

"یہی کوئی دو سال سے۔"

"کوئی ایسا آدمی ۔۔ جو گزشتہ دس سال سے اس کے لیے کام کر رہا ہو؟"

"جی نہیں ۔۔ ایسا کوئی آدمی آپ کو نہیں ملے گا۔" پہلے

نے کہا۔

"کیا مطلب ۔۔ ملے گا کیوں نہیں بھلا؟" انسپکٹر جمشید نے آنکھیں نکالیں۔

"اس لیے کہ کوئی آدمی اس کے لیے دو سال سے زیادہ عرصے تک کام نہیں کر سکتا ۔۔ دو سال کے بعد وہ اپنے پُرانے مُلازموں کو فارغ کر دیتا ہے ۔۔ وہ ملازم ہی دو سال کے لیے رکھتا ہے ۔۔ میرا مطلب ہے، ملازمت دینے سے پہلے ہی بتا دیتا ہے کہ دو سال کے لیے انھیں ملازم رکھا جا رہا ہے ۔۔ اور یہ کہ دو سال کے بعد ہر حال میں انھیں فارغ کر دیا جائے گا ۔۔ لیکن تمام حساب کتاب کرنے کے بعد ۔۔ یہ بات نہیں کہ تنخواہیں وغیرہ مار لی جائیں گی۔"

"اور تنخواہیں تمھیں بالکل وقت پر ملتی ہیں؟" انھوں نے پوچھا۔

"ہاں جناب بالکل۔"

"تمھیں کتنی تنخواہ ملتی ہے؟"

"دس ہزار روپے ماہوار۔"

"وہ تم سے کیا کام لیتا ہے؟"

"چوریاں اور ڈاکے ۔۔ لیکن منصوبہ بندی خود کرتا ہے

"کیا مطلب؟"

"ہمیں تیار شدہ منصوبہ ملتا ہے — یہ کہ فلاں جگہ واردات کرنا ہے — فلاں وقت کرنا ہے اور کس طرح کرنا ہے — تمام تفصیلات وُہ ہمیں مہیا کرتا ہے۔"

"کس طرح — کیا تحریری؟" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

"جی نہیں — زبانی — فون پر وہ تمام تفصیلات لکھوا دیتا ہے۔"

"اوہ اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"کیوں سر — کیا ہوا؟" اکرام نے پریشان ہو کر کہا۔

"اس نے خود کو مکمل طور پر چھپا رکھا ہے — اوہ مگر نہیں — ایک بات کا مجھے خیال نہیں رہا — جب تم لوگ کوئی واردات کر لیتے ہو تو رقم اس تک کس طرح پہنچاتے ہو؟" انھوں نے کہا۔

"اس کے لیے اس نے اور بھی زیادہ حیرت انگیز طریقہ اختیار کیا ہے۔" ان میں سے ایک نے ہنس کر کہا۔

"اور وُہ کیا؟"

"ساری رقم جو ہم کسی بنک یا گھر سے حاصل کرتے ہیں — اس کا پیکٹ بنا کر تیار رکھ لیتے ہیں — اچانک اس کا پیغام ملتا ہے کہ پیکٹ لے کر فلاں جگہ آ جاؤ — اور اگلے حکم

کا انتظار کرو — ایک آدمی پیکٹ لے کر اس جگہ چلا جاتا ہے، وہاں سے اسے کوئی اور پیغام ملتا ہے — وُہ اس پر عمل کرتا ہے — اس طرح اسے چھ سات جگہیں تبدیل کرنا پڑتی ہیں — تب کہیں جا کر وُہ پیکٹ وصول کرتا ہے۔"

"لیکن کیسے؟" انھوں نے بے چین ہو کر کہا۔

فائل اور البم

محمود نے کوٹھی کے دروازے پر پہنچ کر دستک دی — فوراً ایک چودہ پندرہ سال کی لڑکی باہر نکل آئی :

"جی فرمایئے!"

"ہم حامد، محمود اور عائشہ ہیں" محمود نے اپنے بدلے ہوئے نام بتائے۔

"اوہ — انکل انصار قاسم کا فون جن کے بارے میں ملا تھا۔"

"جج — جی ہاں" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"شکریہ" لڑکی بول اُٹھی۔

"اور آپ نے شکریہ کس بات کا ادا کیا؟"

"اس بات کا کہ آپ نے ہمیں انتظار کی زحمت سے بچا لیا — ورنہ آج کل عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ لوگ اپنے آنے کا جو وقت دیتے ہیں نا — تو اس وقت آتے نہیں بہت انتظار کے بعد آتے ہیں — اور مجھے انتظار کرنا دُنیا کا

مشکل ترین کام لگتا ہے۔"

"ہوں — یہ تو ہے — انتظار کرنا ہمیں بھی جان جوکھوں کا کام لگتا ہے۔"

"بلکہ ایک آنکھ نہیں بھاتا" فاروق بولا۔

"زہر لگتا ہے — زہر" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"معلوم ہوتا ہے — آپ لوگ بہت بامحاورہ اُردو بولنے کے عادی ہیں۔"

"جی بس — کیا بتائیں — لیکن کچھ بتائے بغیر رہا بھی تو نہیں جاتا — اب بات بے بات کیا بات کریں" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"میں سمجھ گئی" لڑکی نے ہنس کر کہا۔

"جو آپ سمجھ گئیں — وہ اپنے تک رکھنا پسند کریں گی یا ہمارے کانوں تک پہنچانا بھی — ویسے ہم نے سُنا ہے — دل کی دل میں نہیں رکھنی چاہیے — اس طرح آدمی کے بیماریاں مول لینے کا خطرہ سر پر منڈلاتا رہتا ہے۔"

"میں آپ کو مان گئی" وہ برابر ہنس رہی تھی۔

"ابھی کیا ہے — ابھی تو آپ آگے کو مانیں گی" محمود نے منہ بنایا۔

"لیکن یہ بھی تو فرمایئے — کیا مانوں گی؟"

"اوّل درجے کا باتونی۔" فرزانہ نے پٹ سے کہا۔

"جی ہاں! اور یہ دوم اور سوم درجے کے ہیں۔ اب آپ کو جو بھی پسند ہو۔"

"میرا خیال ہے — اب ہمیں اندر ہی چلنا چاہیے — کہیں امی جان مجھے نہ ڈانٹیں کہ میں نے آپ لوگوں کو اتنی دیر تک دروازے پر کیوں روکے رکھا۔"

"چلیے پھر — ایسا کر لیتے ہیں۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

وہ اندر داخل ہوئے — کمرے میں انھیں چالیس سال کی عمر کے قریب ایک خوب صورت عورت مسہری پر بیٹھی نظر آئی:

"امی جان! یہ لوگ آ گئے۔"

"آئیے بھئی — آپ لوگوں کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی — ضرور کسی اچھے گھرانے کے ہیں — جاؤ فاخرہ اپنے بھائیوں کو بھی تو بلا کر لاؤ نا — وہ بھی مل لیں گے ان سے۔"

"جی امی! میں ابھی لائی۔" وہ دوڑتی ہوئی چلی گئی۔

جلد ہی دو لڑکے اس کے ساتھ اندر داخل ہوتے — وہ بالکل ایک جیسے تھے — ایک جیسی شکل صورت اور قد و قامت کے —

"کیا یہ دونوں جڑواں ہیں؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"نہیں — لیکن یہ لگتے ہیں ایسے ہی — ان کی عمروں میں ایک سال کا فرق ہے — ان کی بہن ان سے چھوٹی ہے۔"

"اوہ اچھا — ان کے والد صاحب کیا گھر پر نہیں ہیں؟"

"والد۔" ان کے منہ سے مارے حسرت کے نکلا — ان کی آنکھوں میں عجیب سی اُداسی چھا گئی۔

"اوہ معاف کیجیے — ہم نے آپ کا غم تازہ کر دیا، تو ان کے والد وفات پا چکے ہیں؟"

"اوہ نہیں — یہ بات نہیں ہے۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"ارے تو کیا بیرونِ ملک گئے ہوتے ہیں؟"

"جی — جی ہاں — آپ یہی سمجھ لیں۔" عورت بولی۔

"سمجھ لیں — کیا مطلب — کیا ان کے والد زندہ ہیں؟"

"ہاں! وہ زندہ ہیں — بس یوں سمجھ لیں کہ وہ ہم سے بہت دور گئے ہوئے ہیں۔"

"کیا کسی دوسرے ملک گئے ہوئے ہیں؟"

"نہیں — یہ بات بھی نہیں ہے — پھر کسی وقت بتا دوں گی کہ وہ یہاں کیوں نہیں ہیں — ابھی تو آپ لوگ آرام کر لیں۔"

"جیسے آپ کی مرضی — ارے ہاں — ان حضرات سے تعارف تو کرا دیں۔"

"یہ فاخرہ ہے۔ اور یہ رضوان اور کامران۔"

"اور میں حامد ہوں ۔۔ یہ محمود اور یہ عائشہ۔"

"آئیے ۔۔ پہلے آپ کو آپ کے کمرے دکھا دیں۔"

"ہم ایک کمرے میں گزارا کر لیں گے۔"

"لیکن ہمارے ہاں بہت کمرے یونہی خالی پڑے ہیں۔"

"اس کے باوجود ہم ایک کمرے میں رہنا پسند کریں گے۔"

"خیر! یہ آپ کی مرضی ہے۔"

وہ انھیں ایک کمرے میں لے آئے۔ انھوں نے اپنا سامان رکھا اور بستر پر بیٹھ گئے۔

"آپ بھی تشریف رکھیں نا۔"

"آپ کچھ دیر آرام کرنا پسند نہیں کریں گے۔"

"جی نہیں ۔۔ بلکہ ہم آرام کرنا ناپسند کریں گے۔" فاروق نے کہا۔

"آپ باتیں بہت گھما پھرا کر کرتے ہیں۔"

"آپ ہمیں اپنے والد کے بارے میں بتائیں۔ آپ کی والدہ کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد ملک سے باہر نہیں گئے ہوئے ۔۔ تو پھر کہاں ہیں۔ کیا وہ کسی مصیبت میں ہیں۔ اگر ایسا ہے تو ہمیں ضرور بتا دیں۔ شاید ہم آپ لوگوں کے کچھ کام آ سکیں۔"

"نہیں ۔۔ ہمارے کام کوئی نہیں آ سکتا۔" فاخرہ نے حسرت زدہ انداز میں کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ کہ آپ کے کام کوئی نہیں آ سکتا۔"

"ہمارا معاملہ ہی کچھ ایسا ہے۔"

"ہم دعویٰ تو نہیں کرتے ۔۔ اُمید دلا سکتے ہیں کہ ہم آپ کے کام آ سکتے ہیں۔" محمود نے جذباتی آواز میں کہا۔

"ہم آپ کو ضرور بتائیں گے۔ آپ ہمارے کام آ سکیں یا نہ آ سکیں۔"

"شکریہ۔ تو پھر بتائیے۔"

"ارے ۔۔ تو کیا ابھی بتا دیں ۔۔ آپ لوگ آرام نہیں کریں گے۔"

"کیا آپ ہمارے چہروں پر تھکن دیکھ رہے ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"جی نہیں تو ۔۔ آپ لوگ تو بالکل تروتازہ لگ رہے ہیں ۔۔ جیسے آپ نے سفر کیا ہی نہیں۔" رضوان بولا۔

"اسی لیے میں کہتا ہوں، آپ ہمارے آرام کی فکر نہ کریں ۔۔ ہم آرام کرنے کے عادی ہیں ہی نہیں۔"

"اچھی بات ہے ۔۔ آپ لوگ آرام سے بیٹھ جائیں ۔۔ ہم بتاتے ہیں۔"

وہ بھی ان کے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے — اب رضوان نے کہنا شروع کیا:

"ہمارے والد ایک بہت بڑے انجینئر ہیں اور جدید ترین ٹیکنالوجی کے ماہر بھی — یہاں کے قومی بنک کی عمارت ان کے ذریعے بنوائی گئی تھی — انھی کے ذریعے اس عمارت میں آلات نصب کروائے گئے تھے — اور پھر اس بنک میں رات کے وقت ڈاکا ڈالا گیا — جس میں چھتیس کروڑ روپے اڑا لیے گئے — اور اسی وقت سے ہمارے والد بھی غائب ہو گئے — لوگ کہتے ہیں، اس واردات میں ہمارے والد کا ہاتھ تھا؛ لیکن ہم جانتے ہیں — ان کا ہاتھ نہیں تھا، انھیں تو معلومات حاصل کرنے کے لیے اغوا کیا گیا تھا — اور معلومات حاصل کرنے کے بعد بھی آج تک چھوڑا نہیں گیا۔"

"اور آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس واردات میں آپ کے والد کا ہاتھ نہیں تھا؟"

"انھوں نے ہمیشہ اپنی زندگی ایمان داری سے بسر کی — وہ تو ہمیں ایمان داری کی تعلیم دیتے نہیں تھکتے تھے — ایک روپے کی بے ایمانی بھی انھیں گوارا نہیں تھی — پھر بھلا وہ بنک لوٹنے کا پروگرام کس طرح بنا سکتے تھے — اور پھر ذرا سوچیں — انھیں بنک لوٹنے کا فائدہ کیا ہوا —

یہ بھی کوئی زندگی ہے — جو وہ گزار رہے ہیں — سب سے چھپ کر — سب سے کٹ کر — کیا وہ دولت آپ کو ہمارے گھر میں خرچ ہوتی نظر آئی ہے — اور کتنے ثبوت چاہییں آپ کو؟"

"چلیے مان لیتے ہیں — انھیں اغوا کیا گیا تھا — ان سے معلومات حاصل کی گئیں اور پھر ان کی مدد سے ہی ڈاکا ڈالا گیا — لیکن اس کے بعد تو وہ سب کے سامنے آ سکتے تھے — آ کر اپنے اغوا کی کہانی سنا سکتے تھے۔" محمود بولا۔

"اغوا کرنے والوں نے انھیں آنے ہی نہیں دیا۔"

"تب پھر — آج دس سال بعد ہوٹل کی میز پر ان کے دستخط کیسے نظر آ گئے؟"

"اس سوال کا جواب ہمارے پاس نہیں ہے — ہو سکتا ہے — انھیں کسی طرح اس جگہ سے نکلنے کا موقع مل گیا ہو۔"

"تب پھر وہ دستخط کر کے چلے کیوں گئے — انھیں تو چاہیے تھا — فوراً پولیس اسٹیشن آ جاتے۔"

"ہو سکتا ہے، اغوا کرنے والے ان کے تعاقب میں ہوں اور وہ خود کو ان سے بچا کر پولیس اسٹیشن تک نہ پہنچ سکے ہوں — بس انھیں صرف اتنا موقع مل سکا ہو کہ ہوٹل میں

گھس جائیں۔"

"ہاں! یہ بات درست محسوس ہوتی ہے۔"

"ارے — مگر — آپ لوگ کیوں ان باتوں میں اُلجھ گئے — یہ مسئلہ تو ہمارا ہے — اس میں آپ پریشان کیوں ہو رہے ہیں؟"

"ہمیں اس قسم کی باتوں سے بہت دلچسپی ہے — ہمارا جی چاہ رہا ہے کہ ہم بھی کہیں سے کسی نہ کسی طرح آپ کے ابو کو تلاش کر لائیں۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"یہ کام آپ کے بس کا نہیں۔" کامران اُداس انداز میں مسکرایا۔

"اس دس سال کے دوران وہ کیا ایک بار بھی آپ لوگوں سے ملنے کے لیے نہیں آئے؟"

"میرا خیال ہے — اب آپ لوگ آرام کریں — وہ ملنے کس طرح آ سکتے تھے — وہ تو ان ڈاکوؤں کی قید میں ہیں۔" رضوان نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھا بہت بہت شکریہ — ویسے کیا آپ ہمیں اپنے والد کے دستخط دکھا سکتے ہیں؟"

"ضرور کیوں نہیں — ہم نہ صرف ان کے دستخط دکھا سکتے ہیں — بلکہ آپ کو ان کی تصاویر بھی دکھا سکتے ہیں، لیکن

صبح — اس وقت نہیں — اس وقت آپ کو آرام کرنا چاہیے۔" رضوان نے کہا۔

"کاش! آپ ہمیں ابھی دکھا دیتے۔" محمود نے حسرت زدہ انداز میں کہا۔

"آپ عجیب ہیں — اچھا خیر — ہم ابھی منگوا لیتے ہیں۔"

یہ کہہ کر کامران نے بورڈ میں لگا ایک بٹن دبا دیا۔ ایک منٹ بعد ہی ایک بوڑھا آدمی اندر داخل ہوا — اس کی کمر بھی قدرے جھکی ہوئی تھی۔

"کیا حکم ہے بچو؟" اس نے پوچھا — انداز سے شفقت ٹپک رہی تھی۔

"پہلی بات تو یہ کہ یہ ہمارے مہمان ہیں — انھیں جس چیز کی ضرورت ہو، آپ انھیں لا کر دیں گے۔"

"سمجھ گیا — آپ فکر نہ کریں — انھیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔"

"اور دوسری بات — ذرا تصویر کا البم اور خطوط والی فائل اٹھا لائیں۔"

"ابھی لایا سرکار۔" بوڑھے نے کہا اور چلا گیا۔

"ان کی تعریف۔"

"ہمارے گھر کا پُرانا ملازم۔"

"لیکن کتنا پرانا؟" فرزانہ نے چونک کر پوچھا۔

"مجھے سات سال تو ہو ہی گئے ہوں گے۔"

"مطلب یہ کہ ان کے اغوا کے بعد آپ لوگوں نے اس بوڑھے میاں کو ملازم رکھا تھا۔"

"ہاں! ہم بہت زیادہ تنہائی سی محسوس کرنے لگے تھے، ہم نے اخبار میں اشتہار دیا۔ کئی آدمی انٹرویو دینے کی غرض سے آئے اور ان میں سے ہم نے انھیں ملازم رکھ لیا۔ بے چارے بہت اچھے ہیں۔ ان کا نہ کوئی آگے، نہ پیچھے۔ یہ بھی ہمارے ساتھ یہیں رہتے ہیں۔"

"بہت خوب!" محمود نے مسکرا کر کہا۔

جلد ہی بوڑھا فائل اور البم لیے اندر داخل ہوا۔

"ٹھیک ہے بابا۔ آپ جائیں۔"

وہ جانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ محمود بول اٹھا:

"ان کا نام کیا ہے؟"

"رمضان۔ بابا رمضان۔"

"شکریہ۔ آپ جا سکتے ہیں رمضان بابا۔"

رمضان چلا گیا۔ اب انھوں نے البم میں مونی کی تصاویر دیکھیں۔ کئی منٹ تک بغور تصاویر کو دیکھتے رہنے کے بعد ان کی آنکھوں میں وہ تصویر رچ بس گئی۔ اب انھوں

نے خطوط کی فائل میں مونی کے دستخط دیکھے:

"ہم ایک تصویر اور ایک خط اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔"

"لیکن۔ کیوں۔ آپ کیا کریں گے؟"

"ان کی تلاش میں آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ آپ رکھ لیں۔" رضوان بولا۔

"میرا خیال ہے۔ اب ہم چلیں۔" فاروق نے کہا۔

"ہاں بالکل۔" دونوں ایک ساتھ بولے۔

اور پھر وہ چلے گئے۔ ایک منٹ بعد محمود نے گھنٹی بجائی۔ بوڑھا جلد ہی اندر داخل ہوا:

"جی فرمائیے۔ کیا حکم ہے؟"

"بس صرف اتنا کہ آپ ذرا بیٹھ جائیں۔ ہمیں آپ سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔"

"ہم۔ مجھ سے؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! آپ سے۔"

"لیکن کیا؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"بس چند باتیں۔ آپ یہاں چھے سات سال سے ملازم ہیں۔ آپ نے آج تک کبھی مسٹر مونی کو دیکھا؟"

"کیا بات کرتے ہیں صاحب۔ بھلا میں انھیں کس طرح دیکھ سکتا تھا۔" اس نے فوراً کہا۔

"آپ یہاں سے پہلے کہاں کام کرتے تھے؟" محمود نے
اس کی آنکھوں میں جھانکا۔
"یہاں سے پہلے۔ کک۔ کہیں بھی نہیں۔ محنت مزدوری
کرتا تھا۔ اخبار میں ان لوگوں کا اشتہار پڑھا۔ تو یہاں
قسمت آزمائی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ میں اس روز سے
بہت پُر سکون ہوں۔ اس گھر کے لوگوں نے میرے
ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کیا۔ یوں بھی یہ دُکھی لوگ ہیں۔
ان کے کام کرکے بہت خوشی ہوتی ہے۔"
"آپ پڑھے لکھے بھی ہیں یا نہیں؟"
"ہاں! میٹرک پاس تو کیا ہی تھا۔ لیکن میٹرک سے
آگے نہیں پڑھ سکا۔ اور میٹرک پاس کی ملازمت کوئی مل
نہ سکی۔ پھر مجبور ہو کر مزدوری شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ
نے صبر کا پھل عطا کیا اور یہ ملازمت آخر دلوا دی۔"
"بہت خوب! ذرا دستخط کرکے دکھائیں اپنے۔"
"آخر کیوں۔ آپ کا انداز کچھ عجیب سا ہے۔"
"آپ اس بات کی فکر نہ کریں اور دستخط کر دیں۔"
"جی اچھا۔"
اس نے ایک کاغذ پر اپنے دستخط کر دیے۔ اب انھوں
نے اس کے چہرے کو بھی غور سے دیکھنا شروع کیا۔ بوڑھا

گھبرا گیا۔
"آپ اس طرح گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے ہیں؟"
"ایک خاص وجہ سے۔"
"اور وہ وجہ کیا ہے۔ ذرا ہم بھی تو سنیں۔"
"ابھی ہم کچھ نہیں بتا سکتے۔ اگر آپ اجازت دیں
تو ہم ذرا اور نزدیک سے آپ کے چہرے کا جائزہ لے لیں۔"
"کک۔ کیا مطلب۔ آخر آپ لوگ چاہتے کیا ہیں؟"
"ہم خود نہیں جانتے کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔"
"یہ کیا بات ہوئی۔" اس نے منہ بنایا۔
"یہ کوئی بات ہوئی ہے یا نہیں۔ آپ ذرا ہمیں اپنے
چہرے کا نزدیک سے جائزہ لے لینے دیں۔"
"نہ جانے کیا بات ہے۔ مجھے کچھ ڈر سا لگ رہا ہے،
آپ لوگ خطرناک لگتے ہیں۔"
"اگر آپ کی زندگی صاف ہے تو آپ کیوں ڈرنے لگے
کسی بات سے۔" محمود نے منہ بنایا۔
"اس کے باوجود میں ڈر رہا ہوں۔"
"آپ اجازت دیں یا نہ دیں۔ ہم نزدیک سے جائزہ ضرور
لیں گے۔"
ان الفاظ کے ساتھ ہی انھوں نے اسے گھیر لیا اور

لگے بہت قریب سے چہرے کا جائزہ لینے ___

" یہ ڈاڑھی آپ نے کب رکھی؟"

"بہت عرصہ پہلے رکھی تھی۔"

"گویا پہلے آپ شیو بناتے تھے؟" محمود نے کہا۔

" ہاں! اس وقت مجھے ڈاڑھی رکھنے کا شوق پیدا نہیں ہوا تھا۔" اس نے کہا۔

" ارے! یہ ___ یہ کیا۔"

ایسے میں فرزانہ زور سے اچھلی ___

وقت

" جس جگہ اسے پیکٹ وصول کرنا ہوتا ہے ___ اس جگہ جب وہ آدمی پہنچتا ہے تو وہاں ہدایت لکھی ہوتی ہے، پیکٹ وہاں رکھتے ہی دوڑ لگا دو ___ اور اگر مڑ کر بھی دیکھا تو بھیجا اڑ جائے گا ___ اب ان الفاظ کے بعد کس میں ہمت ہوتی ہے کہ مڑ کر دیکھے۔" اس نے جلدی جلدی بتایا۔

" ہوں! یہاں تم لوگوں کو کب تک نگرانی کرنا تھی؟"

" رات گئے تک ___ صبح سویرے اس عمارت میں جانا تھا۔"

" بہت خوب ___ تب تو بن گیا کام۔"

" جی ___ بن گیا کام ___ لیکن کس کا؟" ان میں سے ایک نے حیران ہو کر پوچھا۔

" بھئی تمہارا نہیں ___ ہمارا ___ اکرام! یہ کل دس ہیں ___ تم اپنے دس بہترین ماتحت یہاں بلوا لو۔"

" او کے سر ___ لیکن پروگرام کیا ہے؟" اکرام کے لہجے

میں حیرت در آئی۔

"باس کے خلاف جال بچھاؤں گا — اب سونی والا معاملہ سلجھ ہی جانا چاہیے۔"

"بہت خوب سر — میں سمجھ گیا۔" یہ کہہ کر اکرام فون کرنے لگا —

"تم میں سے فون پر اپنے باس سے کون بات کرتا ہے؟"

"میں کرتا ہوں۔" ایک بولا۔

"اور تمہارا نام؟"

"نادر پرویز۔" اس نے بتایا۔

"اور سامان لے کر کون جاتا ہے؟"

"سامان لے کر بھی میں ہی جاتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"بہت خوب۔" وہ مسکرا دیے۔

اسی وقت اکرام ان کی طرف مڑا:

"دس آدمی دس منٹ تک یہاں پہنچ جائیں گے۔"

"میرا خیال ہے — اب محمود، فاروق اور فرزانہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"لیکن اب جب کہ وہ چلے گئے ہیں تو انھیں وہاں رہنے دیں — شاید وہ بھی کوئی کام دکھا دیں۔"

"اچھی بات ہے — ارے ہاں — ہم نے ہوٹل کے بیرے

داؤد سے کوئی بات نہیں کی — اس سے ملنا بھی ضروری ہے، وہ مسٹر سونی کے انداز اور اطوار سے اچھی طرح واقف ہے۔"

"لیکن اسے تو سنا ہے — ہوٹل کے مالک راجو دادا نے ملازمت سے نکال دیا ہے۔"

"ہاں! لیکن معلوم تو کیا جا سکتا ہے کہ وہ کہاں ہے۔"

"میں ابھی راجو دادا سے بات کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس کے ہوٹل کے نمبر ملائے، پھر سلسلہ ملنے پر بولا:

"ہیلو راجو دادا — سب انسپکٹر اکرام بات کر رہا ہوں۔"

"کیا حکم ہے سرکار؟"

"داؤد سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے؟"

"میں نے اس الّو کو ملازمت سے نکال دیا۔"

"لیکن ہمیں اس سے کام ہے۔"

"آپ اس کے ذریعے سے ہرگز مجرم تک نہیں پہنچ سکتے، اس بات کو لکھ لیں۔"

"اچھا لکھ لیتے ہیں — تم یہ بتاؤ — وہ کہاں ملے گا؟"

"خان امجد کے پاس۔" اس نے جھلا کر کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

اب اکرام نے خان امجد کو فون کیا — جلد ہی ان کی بھاری بھرکم آواز سنائی دی:

"خان امجد بات کر رہا ہوں — فرمائیے۔"
"اور میں سب انسپکٹر اکرام ہوں — راجو دادا کا ملازم داؤد سنا ہے آپ کے پاس ہے۔"
"میرے پاس تو خیر نہیں — ہو گا تو اپنے گھر میں — ہاں، میں نے اسے ملازمت دلوا دی ہے بینک میں۔"
"بہت خوب! ہم اس سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔"
"لیکن کس سلسلے میں؟"
"سونی کے سلسلے میں۔"
"اچھی بات ہے — میں اسے آپ کے پاس بھجوا دیتا ہوں — وہ کہاں آئے؟"
اکرام نے انسپکٹر جمشید کے گھر کا پتا لکھوا دیا —
"بہت بہتر — وہ تھوڑی دیر تک پہنچ جائے گا۔"
"بہت بہت شکریہ!"
اتنے میں اکرام کے دس آدمی وہاں پہنچ گئے — انسپکٹر جمشید نے ان کے چہروں پر ان دس کے دس کا میک اپ کرنا شروع کر دیا — پھر کچھ سوچ کر صرف نو آدمیوں کے چہروں پر میک اپ کیا — اب وہاں اٹھارہ آدمی ایسے تھے — جن میں سے دو دو آدمی ایک جیسی شکل اور صورت کے تھے — اور مارے حیرت کے ان کا برا حال تھا۔

"اُف مالک — آخر یہ سب کیا ہے — آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟" نادر پرویز نے کہا۔
"بس دیکھتے جائیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔
اور پھر دسویں آدمی یعنی نادر پرویز کو اپنے سامنے بٹھا کر اپنے چہرے پر انھوں نے اس کا میک اپ کرنا شروع کیا — یہ دیکھ کر اکرام گھبرا گیا اور بولا:
"یہ — یہ — یہ کیا سر؟"
"کیوں اکرام، کیا ہوا؟"
"میرا خیال تھا [illegible] یہ کام مجھ سے ہی لیں گے۔"
"تم نے سنا نہیں اکرام — مال کسی جگہ رکھوانے کے بعد باس حکم دیتا ہے کہ بھاگ جاؤ اور مڑ کر نہ دیکھنا، اگر مڑ کر دیکھا تو بھیجا اڑ جائے گا۔"
"تو پھر — کیا مطلب؟"
"مطلب یہ کہ یہ خطرہ میں خود مول لوں گا۔"
"سر — وہ اس جگہ کہیں چھپا ہوا ہوتا ہو گا اور جب تک اپنے آدمی کو جاتے ہوئے نہیں دیکھ لیتا ہو گا، اس وقت تک مال نہیں اٹھاتا ہو گا — مطلب یہ کہ آپ یہ خطرہ کس طرح مول لیں گے؟"
"تمھارا مطلب ہے — میں تو یہ خطرہ مول لوں نہ اور

تمھیں بھیج دوں ـــ نہیں اکرام ـــ میں وُہ افسر نہیں جو ماتحتوں کو تو خطرے میں جھونک دیتے ہیں اور خود آرام سے دفتروں میں بیٹھے رہتے ہیں ـــ یہ کام میں کروں گا ـــ میں تمھیں نہیں بھیج سکتا۔"

"آپ بھی کمال کرتے ہیں ـــ اس ملک کو آپ کی ضرورت بہت زیادہ اور بہت اہم کیسوں میں ہے ـــ یہ کیس تو بالکل عام کیس ہے۔"

"کوئی پروا نہ کرو ـــ اور اب خاموش۔" وہ مسکرائے۔ اور پھر انھوں نے نادر پرویز کا میک اپ اپنے چہرے پر کیا:

"اکرام ـــ اب تم ان دس کو لے جاؤ ـــ اور ایسی جگہ بند کر دو، جہاں انھیں کوئی دیکھ بھی نہ سکے۔"

"او کے سر۔" اس نے کہا اور انھیں لے کر چلا گیا ـــ ان کے جانے سے پہلے وُہ عمارت کا پتا پوچھ چکے تھے ـــ

صبح ہونے سے پہلے وہ گھر سے نکل کر چاروں طرف پھیل کر کھڑے ہو گئے ـــ بالکل اس طرح جس طرح نگرانی کرنے والے دس کھڑے ہوتے تھے ـــ جس گاڑی میں وہ آئے تھے، وہ بھی جوں کی توں کھڑی تھی ـــ گویا ہر طرح خیریت تھی اور مجرم کو اس تبدیلی کا کانوں کان پتا

نہیں چلا تھا۔

آخر دن نکلنے پر وہ اس عمارت کی طرف روانہ ہوئے، عمارت کی چابی نادر پرویز سے انھیں مل گئی تھی ـــ وہ بہت آسانی سے اس کے سامنے پہنچ گئے اور تالا کھول کر اندر داخل ہو گئے ـــ پہلے انھوں نے پوری عمارت کی تلاشی لی ـــ پھر فون والے کمرے میں آ کر بیٹھ گئے ـــ عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی ـــ انسپکٹر جمشید نے ان سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے فون کا ریسیور اٹھا لیا:

"یس باس۔"

"کیوں کیا رہا؟"

"انسپکٹر جمشید کے گھر میں کوئی داخل نہیں ہوا ـــ نہ کوئی آیا نہ گیا۔"

"تم نے تمام رات جاگ کر نگرانی کی تھی؟" دوسری طرف سے کھردری آواز میں کہا گیا۔

"یس باس۔" وہ بولے۔

"ٹھیک ہے ـــ آج ڈاک سے چوری کا ایک منصوبہ ملے گا ـــ رات کو تم اس پر کام کرو گے۔"

"او کے سر۔" انھوں نے کہا اور دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا ـــ

دوپہر سے پہلے ایک ڈاکیا آیا تو انھیں ایک لفافہ دے گیا — اسے کھولا گیا — اس میں سے واقعی چوری کا ایک مکمل منصوبہ برآمد ہوا — یہ ایک بہت بڑے دولت مند آدمی کے گھر میں چوری کا منصوبہ تھا — اس میں اس گھر کے بارے میں تمام تر معلومات درج تھیں :

"اس قدر زبردست معلومات عمارت کو دیکھے بغیر ممکن نہیں — اس کا مطلب ہے — مجرم نے پہلے اس گھر کا اچھی طرح جائزہ لیا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تب تو ان سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ ان سے ملنے کون کون آیا تھا۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"نہیں — اس لیے کہ وہ نہ جانے کب اور کس بہانے وہاں گیا ہو گا — فی الحال میں انھیں چونکانا نہیں چاہتا، ہاں ! واردات کے بعد اکرام کے ذریعے یہ سوال بھی پوچھ لیا جائے گا۔" انسپکٹر جمشید نے جواب دیا۔

اسی رات انھوں نے اس گھر میں چوری کی واردات کی اور اس گھر سے تمام قیمتی سامان سمیٹ لائے —

دوسری صبح وہ باس کے فون کا انتظار کرنے لگے — لیکن فون نہ آیا — اب تو وہ بہت پریشان ہوئے — آخر بعد دوپہر فون آیا :

"یس باس۔"

"رات کیا رہا ؟"

"ہم کام کر آئے ہیں باس۔"

"بہت خوب — یہ تمام مال لے کر نیلی بلڈنگ آ جاؤ۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"لیکن کس وقت باس ؟"

"کیا مطلب ؟" دوسری طرف سے چونک کر کہا۔

اور انسپکٹر جمشید فوراً سمجھ گئے کہ ان سے غلطی ہو گئی ہے —

"ٹھیک ہے باس — غلطی سے یہ جملہ منہ سے نکل گیا تھا۔" انھوں نے فوراً کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" دوسری طرف سے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا گیا —

انھوں نے فوراً اکرام کے نمبر ملائے :

"ہیلو اکرام — اس اڈے کے پیچھے نادر پرویز سے فوراً معلوم کرو کہ وہ مال لے کر کس وقت روانہ ہوتا تھا — مجھے ان نمبروں پر رنگ کرنا۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے نمبر بتا دیے —

ٹھیک پندرہ منٹ بعد اکرام کا فون موصول ہوا، وہ

کہ رہا تھا:

"رات کو ٹھیک نو بجے وہ مال لے کر روانہ ہوتا رہا ہے۔"

"یہ بات اس نے ہمیں کیوں نہیں بتائی تھی؟"

"اس کا کہنا ہے ۔۔ بھول گیا تھا۔"

"ہوں خیر۔" انسپکٹر جمشید نے کہا، لیکن اب وہ پریشانی سی محسوس کر رہے تھے۔

اور پھر وہ رات کو نو بجے گھر سے نکل کر نیلی بلڈنگ پہنچ گئے ۔۔ مال کی تھیلی گاڑی میں اگلی سیٹ پر رکھی تھی۔

وہ انتظار کرتے رہے ۔۔ کرتے رہے ۔۔ لیکن باس کی طرف سے کوئی پیغام نہ ملا ۔۔ آخر انھیں مایوس ہو کر واپس لوٹنا پڑا ۔۔ اور جب وہ عمارت میں داخل ہوئے تو اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی:

"یس باس۔" انھوں نے فوراً کہا۔

"نیلی بلڈنگ گئے تھے؟"

"یس سر ۔۔ کافی دیر وہاں کھڑا رہا ۔۔ لیکن آپ کا پیغام نہیں ملا۔"

"ملتا بھی کیسے۔" دوسری طرف سے عجیب سے انداز میں کہا گیا ۔۔

"کیوں باس ۔۔ کیا ہوا؟"

"آپ سے غلطی ہو گئی انسپکٹر جمشید ۔۔ یا پھر نادر پرویز نے میرے نمک کا حق ادا کیا ہے ۔۔ کہ اس نے یہ نہیں بتایا کہ مال لے کر روانہ ہونے کا وقت نکلس ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

اور انسپکٹر جمشید ساکت رہ گئے ۔۔

اور پھر

"کیا ہوا فرزانہ — کسی بچھو نے کاٹ کھایا ہے کیا؟" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"نن — نہیں — کاش بچھو کاٹ جاتا اور میں یہ بات نہ دیکھتی جو دیکھ رہی ہوں۔"

"تو پھر مہربانی فرما کر ہمیں بھی دکھا دو — یہ تو سراسر ناانصافی ہے کہ تم اکیلے اکیلے دیکھ رہی ہو۔" فاروق بولا۔

"تو تم بھی دیکھ لو نا — عینک تو نہیں لگا رکھی تم نے آنکھوں پر۔" فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"کیا مطلب — کیا عینک لوگ اس لیے لگاتے ہیں — کہ نظر نہ آئے؟" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ادھر اُدھر کی باتوں میں وقت ضائع نہ کرو اور فرزانہ تم یہ بتاؤ — تم نے کیا دیکھا ہے؟"

"میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"کیا کہا — رمضان کا چاند دیکھا ہے — ابھی ایک ماہ پہلے تو ہم روزے رکھ کر فارغ ہوئے ہیں — اس قدر جلد رمضان کا چاند کس طرح نظر آ گیا؟" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"اوہو — غلط کہہ گئی — رمضان کا چہرہ دیکھا ہے۔"

"اور — اور رمضان کے چہرے میں تمہیں کیا بات نظر آئی ہے؟"

"تم دونوں بھی نزدیک آ کر دیکھ لو۔"

اب جو انھوں نے نزدیک آ کر بغور چہرے کا جائزہ لیا تو دونوں بُری طرح اُچھلے:

"ارے! یہ کیا — اس چہرے پر تو میک اپ کیا گیا ہے۔"

"کیا!!!" بوڑھا اُچھلا۔

"کیوں اب آپ کو کیا ہوا؟"

"اس نے تو کہا تھا — کوئی ماہر سے ماہر آدمی بھی یہ نہیں جان سکے گا کہ میرے چہرے پر میک اپ کیا گیا ہے۔" اس نے کہا۔

"بہت خوب! تو آپ نے اپنے چہرے پر کسی میک اپ کے ماہر سے میک اپ کرایا تھا؟"

"ہاں! کرایا تھا — لیکن اس کا فائدہ کیا ہوا؟"

"مار لیا میدان — محمود گھر کے افراد کو بلا لو — جلدی کرو۔" فاروق بولا۔

"یہ — یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟" بوڑھا گھبرا گیا۔

"خاموش رہیے — اب بولنے کی باری آپ کی نہیں، ہماری ہے۔"

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔"

"کیا غلط سمجھ رہے ہیں — کیا آپ کے چہرے پر میک اپ نہیں ہے؟"

"وہ تو خیر ہے — میں انکار نہیں کر رہا۔"

"بس تو پھر خاموش رہیں — اب جو بات ہو گی، گھر کے افراد کے سامنے ہو گی۔"

"جب کہ میں چاہتا ہوں — آپ صرف مجھ سے بات کریں۔" اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"نہیں — گھر کے افراد کی موجودگی بہت ضروری ہے۔"

اتنے میں محمود ان چاروں کو لے کر آ گیا:

"کیا ہوا — خیر تو ہے — کیا آپ کو رمضان کی وجہ سے کوئی پریشانی ہو گئی ہے؟"

"ہاں! یہی بات ہے۔" فرزانہ بولی۔

"بُری بات ہے رمضان — تم نے مہمانوں کا اتنا خیال

بھی نہیں رکھا کہ انھیں تم سے شکایت ہو گئی۔"

"ہم — ہیں — ہیں۔"

"اب میں ہیں کیا کر رہے ہیں — معافی مانگیں ان سے۔" رضوان بولا۔

"ایسی کوئی بات نہیں — رضوان صاحب۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے تو پھر کیسی بات ہے۔" کامران نے کہا۔

"یہ بڑے میاں جو آپ کے گھر میں پچھلے سات سال سے کام کر رہے ہیں — دراصل کچھ اور چیز ہیں — اس لیے آپ کو یہاں بلایا ہے — تاکہ آپ کو ان کا اصل چہرہ دکھا دیا جائے۔"

"نن — نہیں — خدا کے لیے ایسا نہ کریں۔"

"لیکن ہم ایسا کیوں نہ کریں؟"

"اس طرح میں کہیں کا نہیں رہ جاؤں گا۔"

"ہم مجبور ہیں — ہمیں ایسا کرنا ہی ہو گا۔"

بوڑھے نے کوئی جواب نہ دیا — جواب دیتا بھی کیا۔ آخر محمود اور فاروق نے آگے بڑھ کر اس کے چہرے پر سے میک اپ اتار دیا — جب چہرہ پوری طرح صاف ہو گیا تو گھر کے افراد کی آنکھوں میں حیرت دوڑ گئی۔

محمود، فاروق اور فرزانہ تو شدید اُلجھن اور بے چینی محسوس کرنے لگے۔

"آخر یہ سب کیا ہے؟" بیگم مونی بولیں۔

"ہم سمجھے کچھ اور تھے، لیکن بات اُلٹ نکلی۔"

"ہم اب بھی نہیں سمجھے۔ آپ کیا سمجھے تھے؟"

"ان کے چہرے پر میک اپ کے آثار دیکھ کر ہم نے یہ خیال کیا تھا کہ مسٹر مونی میک اپ میں خود اپنے گھر کے ملازم بنے ہوئے ہیں، تاکہ اپنے بیوی بچوں کے آس پاس رہیں، انھیں دیکھتے رہیں۔ لیکن میک اپ اتارنے پر یہ مونی ثابت نہیں ہوئے۔"

"انھیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" مسز مونی نے کہا۔

"یہ تو یہی بتائیں گے۔"

"اس سے زیادہ حیرت ہمیں آپ پر ہے۔ آخر آپ لوگوں نے کس طرح معلوم کر لیا کہ یہ میک اپ میں ہیں؟"

"اس لیے کہ یہ ہمارا روز کا کام ہے۔"

"کیا کہا۔ یہ روز کا کام ہے؟"

"ہاں! روز کا۔ دراصل ہم محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں۔"

"کیا!!" وہ ایک ساتھ چلائے۔

"ہاں! ہم یہ سُراغ لگانے کے لیے ہی یہاں مہمانوں

کی حیثیت سے آئے۔ انھیں میک اپ میں دیکھ کر ہم یہ خیال کر بیٹھے کہ یہ مسٹر مونی ہیں، لیکن یہ تو کوئی اور نکل آئے۔ اب ہم ان سے پوچھتے ہیں۔ یہ کون ہیں اور اس گھر میں میک اپ میں رہ کر ملازمت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"بات دراصل یہ ہے کہ میں پہلے ایک جرائم پیشہ آدمی تھا۔ ایک خطرناک غنڈہ۔ ایک جرم کرتے ہوئے پکڑا گیا اور مجھے سزا ہو گئی۔ سزا گزارنے کے بعد باہر نکلا تو فیصلہ کیا کہ اب ایمان دارانہ زندگی گزاروں گا۔ میرے جیل میں رہنے کے دوران میرے بیوی بچے فوت ہو گئے تھے۔ کہیں کام کرنے سے پہلے حلیہ تبدیل کرنا ضروری تھا، ورنہ کوئی مجھے پہچان کر کام خراب کر سکتا تھا۔ چھ سال سے یہاں کام کر رہا ہوں۔ کیا میری کوئی غلط حرکت انھوں نے دیکھی۔ میری کوئی بے ایمانی پکڑی گئی؟" اس نے جذباتی آواز میں کہا۔ سب سکتے کے عالم میں اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آخر اس نے پھر کہا:

"لیکن اب چونکہ میرا پول کھل گیا ہے، لہٰذا میں جا رہا ہوں۔ اب کہیں اور ملازمت تلاش کروں گا۔"

"نہیں، فی الحال آپ کہیں نہیں جا سکتے۔ ہمیں اس کیس

پر کام پورا کر لینے دیں ۔۔ ویسے بھی ابھی یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ آپ موئی ہیں یا نہیں "

"کیا مطلب ؟ وہ زور سے اُچھلا۔

"ہاں ! میک اَپ اُترنے کے بعد ۔۔ اگرچہ آپ کا چہرہ مسٹر موئی کا چہرہ نظر نہیں آیا ۔۔ لیکن اس کے باوجود بھی آپ مسٹر موئی ہو سکتے ہیں "

"آپ لوگ ، میری سمجھ میں نہیں آئے " اس نے جھلّا کر کہا ۔

"آپ جا کر آرام کریں ۔۔ ہم بھی آرام کریں گے ۔ صبح دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کیا جا سکتا ہے "

"ٹھیک ہے ۔۔ میں فی الحال کہیں نہیں جا رہا ۔۔ اپنے کوارٹر میں رہوں گا ۔۔ لیکن ایک بات آپ بھی سُن لیں میں موئی نہیں ہُوں "

"اچھا اچھا ۔۔ یہ بعد کی بات ہے "

اور پھر وہ اپنے اپنے کمروں کی طرف چلے گئے ۔

"آخر اب ہم اس شخص کو موئی کس طرح ثابت کریں گے "

"بھئی یہ بات تو اسے بھی معلوم تھی کہ کبھی اس پر شک کیا جا سکتا ہے اور اس وقت پہلا کام یہ کیا جائے گا کہ اس کا میک اَپ اُتار کر دیکھا جائے گا ۔۔ لہٰذا اس

کا انتظام اس نے کر لیا تھا کہ میک اَپ اترنے پر بھی وہ موئی نظر نہ آئے "

"تمہارا مطلب ہے ۔۔ اس کے چہرے پر ڈبل میک اَپ کیا گیا ہے ۔۔ یعنی اس کے چہرے پر ایک میک اَپ ابھی باقی ہے " محمود بولا۔

"ہاں ! لیکن یہ میک اَپ ہم کسی ماہر کی مدد کے بغیر نہیں اتار سکتے "

"خیر کوئی بات نہیں ۔۔ صبح ماہر کو بھی بُلا لیا جائے گا "

"لیکن اگر وہ موئی ہے ۔۔ تو رات میں ہی فرار ہونے کی کوشش کرے گا " فاروق نے پریشان ہو کر کہا ۔

"فکر نہ کرو ۔۔ ہم اسے فرار ہونے نہیں دیں گے "

تھوڑی دیر بعد وہ دبے پاؤں اپنے کمرے سے نکل کر رمضان کے کمرے کا رُخ کر رہے تھے اور پھر ایک تاریک گوشے میں دبک چکے تھے ۔۔ ایسے میں فرزانہ نے سرگوشی کی:

"سنو ۔۔ اگر وہ باہر نکلا اور اس نے فرار ہونے کی کوشش کی تو ہم اسے نہیں روکیں گے ، بلکہ اس کا تعاقب کریں گے "

"واہ ! تم ٹھیک کہتی ہو ۔۔ یہ زیادہ مناسب رہے گا ۔۔ اس طرح ہم یہ جان سکیں گے کہ یہ جاتا کہاں ہے "

"بالکل ٹھیک۔" فرزانہ نے کہا۔

اور پھر ان کے اوپر کے سانس اوپر اور نیچے کے نیچے رہ گئے — انھیں چھت پر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا، شاید کوئی پائپ کے ذریعے چھت پر آیا تھا — ان کے دل زور زور سے دھڑکنے لگے —

اور پھر انھوں نے کسی کے سیڑھیاں اترنے کی بہت ہلکی سی آواز سنی — وہ بھی فرزانہ کے کانوں کی مدد سے —

نقاب پوش

"لو بھئی اکرام — ہمارا منصوبہ ناکام ہو گیا — اگرچہ تھا بڑا زور دار — آؤ ذرا نادر پرویز سے دو دو باتیں کر لیں۔" انسپکٹر جمشید نے اکرام سے کہا — انھوں نے اسے فون کرکے وہیں بلا لیا تھا —

"ہوا کیا سر؟"

"بس — نادر پرویز اپنے باس کا وفادار ثابت ہوا — اس نے ایک خاص بات ہمیں نہیں بتائی تھی — یہ کہ مال لے کر جانے کا وقت پہلے سے طے ہے — باس صرف فون پر مقام کا نام بتاتا ہے — میں نے اس کے مقام بتانے پر یہ پوچھ لیا کہ کس وقت روانہ ہونا ہے — اور وہ چونک گیا — اس مقام پر وہ مجھے چھپ کر دیکھتا رہا — اور میری حرکات اور سکنات کا بغور معائنہ کرتا رہا — یہاں تک کہ اس نے جان لیا کہ میں کون ہوں۔"

"اوہ! یہ تو بہت بُرا ہوا۔"

"پتا نہیں، بہت بُرا ہوا یا بہت اچھا۔ ہمارا کام ہے کوشش کرنا۔ کامیابی اور ناکامی تو بس اللہ کے ہاتھ ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ چلیے۔ پھر نادر پرویز سے ملاقات کر لیں۔"

وہ حوالات میں آئے۔ نادر پرویز کو الگ کمرے میں بلا لیا گیا:

"تم نے اپنے ساتھ سخت سلوک کا حق ثابت کر دیا ہے میرے دوست! اب میں عدالت میں یہ کہوں گا کہ وہ تمھیں سخت سزا سنائیں۔ جج صاحبان میری بات کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔" انھوں نے سرد آواز میں کہا۔

"کک۔ کیوں۔ میں نے کیا کیا ہے؟"

"تم نے ہمارا سارا منصوبہ چوپٹ کر دیا۔ یہ نہ بتا کر کہ مال لے کر روانہ ہونے کا وقت مقرر ہے۔"

"اوہ! یہ بتانے کا تو مجھے خیال ہی نہیں رہا۔" اس نے فوراً کہا۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"نن۔ نہیں۔"

"بہرحال۔ اب تمھارے لیے نرم سزا کی سفارش صرف اس صورت میں کروں گا، جب تم باس کی گرفتاری کے سلسلے میں کوئی خاص بات بتا دو۔"

وہ سوچ میں ڈوب گیا۔ آخر بولا:

"کم از کم ایک بات میں ضرور بتا سکتا ہوں۔"

"اگر ہمارے کام آ گئی تو وہ ایک بات ہی ہمارے لیے کافی ہو گی۔"

"تب پھر۔ سُنیے۔" اس نے آواز نیچی کر لی۔

"لیکن تم نے آواز آہستہ کیوں کر لی۔ کیا تمھارے خیال میں تمھاری آواز باس سن لے گا۔"

"ہاں! اس کے کان بہت لمبے ہیں۔ میری بات اس تک پہنچ جاتی ہے اور پھر وہ مجھے حوالات میں بھی سزا دیے بغیر نہیں رہے گا۔"

"بے فکر رہو۔ وہ یہاں کچھ نہیں کر سکے گا۔"

"آپ اسے نہیں جانتے۔ وہ یہاں ضرور آئے گا۔ مجھے سزا دینے کے لیے۔ اور آئے گا بھی خود۔ اپنے کسی آدمی کو نہیں بھیجے گا۔ یہ اس کی خاص عادت ہے۔" نادر پرویز نے کہا۔

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

" خیر — میں نے یہ جوا کھیلنے کا فیصلہ کیا ہے۔ کہ آپ کو وہ خاص بات بتا دوں — اگر آپ نے اسے گرفتار کر لیا تو میں بال بال بچ جاؤں گا — اور اگر آپ اسے گرفتار نہ کر سکے تو پھر اسے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ میں نے آپ کو کیا بات بتائی ہے — لہٰذا وہ میرا کام تمام کر دے گا۔"

" بھئی تم فکر نہ کرو — ہم تمھاری حفاظت کا پورا پورا انتظام کریں گے۔"

" یہ آپ کا کہنا ہے — جب کہ اس کا دعویٰ ہے کہ اس کے آدمی اس کی پہنچ سے باہر ہرگز نہیں جا سکتے، اور اس بات کو اس نے اکثر ثابت کر کے دکھایا ہے۔" اس نے کہا۔

" اچھا خیر — یونہی سہی — اب تم وہ بات بتاؤ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

" ہر اتوار کی رات کو وہ مسٹر موٹی کے گھر ضرور جاتا ہے۔" اس نے بتایا۔

" کیا!!" وہ اچھل پڑے۔

" ہاں انسپکٹر صاحب — لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ وہ باہر تک رہتا ہے یا اندر بھی جاتا ہے۔"

" اس بات کا علم تمھیں کس طرح ہوا؟"

" وہاں میری ڈیوٹی ہوتی ہے — مجھے صرف یہ کرنا ہوتا ہے کہ ایک خفیہ جگہ کھڑے رہ کر نگرانی کرتا ہوں — یہ کہ کوئی باس کی ٹوہ میں تو نہیں ہے۔"

" اور تم نے باس کا چہرہ دیکھنے کی کبھی کوشش کی؟"

" ہاں بہت — لیکن کامیاب نہیں ہو سکا۔"

" خیر کوئی بات نہیں — یہ بات واقعی بہت اہم ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ ہر اتوار کی رات کو موٹی کے گھر کیوں جاتا ہے؟"

" یہ بات تو مجھے معلوم نہیں۔"

" خیر — آج اتفاق سے اتوار ہی ہے — اگر آج بھی وہ آیا تو پھر بچ کر نہیں جا سکے گا۔"

اور وہاں سے چلے آئے۔

" یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ ہر اتوار کو موٹی کے گھر کیوں جاتا ہے۔"

" اپنے بیوی اور بچوں سے ملنے۔" اکرام بولا۔

" لیکن بھئی — اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ موٹی اس پورے گروہ کا سرغنہ ہے۔"

" اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"اب بات ہونے پر ہی ادھر کا رُخ کیا جا سکے گا۔"

رات کے ٹھیک پونے دس بجے وہ اکرام کے ساتھ روانہ ہوئے اور مونی کے گھر سے کافی فاصلے پر کار سے اُتر کر آگے بڑھے۔ پھر کوٹھی نظر آنے پر انھوں نے ایک تاریک گوشہ تلاش کیا۔ دونوں وہاں دبک گئے۔

"یہ بات سمجھ میں نہیں آئی سر۔ کہ اگر مونی اپنے گھر والوں سے ملنے ہر اتوار کو آتا ہے تو دوسرے لوگوں کو پتا کیوں نہ چلا۔ کبھی تو کسی کی نظر اس پر پڑتی۔"

"اس کے لیے وہ کوئی عجیب طریقہ اختیار کرتا ہو گا۔" وہ بولے۔

"اور وہ عجیب طریقہ کیا ہو سکتا ہے بھلا؟"

"ابھی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ ہی لیں گے۔" وہ مسکرائے۔

"میں شدید اُلجھن محسوس کر رہا ہوں۔ محمود، فاروق اور فرزانہ بھی اندر موجود ہیں۔"

"اس میں اُلجھن کی کیا بات ہے۔ یہ تو اور اچھی بات ہے۔"

"آپ ضرور کوئی اندازہ لگا چکے ہیں۔ تبھی اتنے یقین سے بات کر رہے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے، میں کچھ اندازہ لگا چکا ہوں۔ ہو سکتا

ہے۔ ایسی کوئی بات نہ ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میرا اندازہ دھرا کا دھرا رہ جائے۔ اچھا تم بتاؤ۔ تم نے اب تک کیا اندازہ لگایا ہے؟"

"صرف یہ کہ مونی ہر اتوار۔ اپنے گھر والوں سے ملنے ضرور آتا ہے۔"

"لیکن پھر اسے اپنے اوپر نگران مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تو اس بات کو راز بھی رکھ سکتا تھا۔"

"تاکہ کوئی اس پر وار نہ کر جائے۔ نادر پرویز کی ڈیوٹی لگا کر وہ بے فکر ہو جاتا تھا۔"

"ہاں! یہ تو خیر ٹھیک ہے۔ لیکن نادر پرویز کی ڈیوٹی لگانے کی کوئی اور وجہ بھی ضرور ہے۔" وہ مسکرائے۔

"اور وہ وجہ کیا ہو سکتی ہے؟"

"آج ہم مونی کو گرفتار کر کے اس سے پوچھیں گے۔"

انھیں وہاں کھڑے بیس منٹ ہو گئے۔ پھر انسپکٹر جمشید نے شدید بے چینی محسوس کی:

"اکرام۔ وہ اس طرف تاریکی میں کوئی کار کھڑی ہے۔ جاؤ۔ ذرا دیکھ کر آؤ۔"

"او کے سر۔" اکرام نے کہا اور اس طرف آواز پیدا کیے بغیر دوڑا۔ جلد ہی وہ واپس آیا:

"وہاں واقعی ایک کار موجود ہے سر — اور کار کے اندر کوئی نہیں ہے"

"تب موٹی آ چکا ہے — اور اندر جا بھی چکا ہے — آؤ — جلدی کرو — کہیں وہ نکل نہ جائے"

دونوں تیزی سے اس گوشے سے نکلے اور کوٹھی کے پچھلی طرف پہنچے — ایک پائپ کے ذریعے چھت پر پہنچ گئے — زینے کا دروازہ انھیں کھلا ملا — اب وہ دبے پاؤں نیچے اترنے لگے — آخری سیڑھی پر پہنچ کر وہ ٹھٹھک گئے —

صحن میں ایک نقاب پوش کھڑا تھا — اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھے ہوئے تھے — محمود اس پر پستول تانے کھڑا تھا — فاروق اور فرزانہ بھی سامنے موجود تھے — اور ایک عورت بھی تین بچوں کے ساتھ وہاں موجود تھی —

"بہت خوب ! تو تم نے اسے گھیر لیا" انسپکٹر جمشید بولے۔

وہ ان کی آواز سن کر اچھل پڑے ، لیکن اچھل پڑنے میں بھی یہ احتیاط رکھی کہ نقاب پوش کو کوئی حرکت کرنے کا موقع نہ مل جائے — اس نے اِدھر اُدھر ہونے کی کوشش کی ضرور — لیکن انھیں پوری طرح ہوشیار پا کر پھر ساکت ہو گیا —

"آخر یہ حضرت کون ہیں ابا جان ؟"

"بھئی تم اسی سے کیوں نہیں پوچھ لیتے ، مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو" انھوں نے شوخ آواز میں کہا۔

"چلیے جناب ! آپ بتا دیں ، آپ کون ہیں — بلکہ بہتر ہو گا ، یہ نقاب اتار دیں ، تاکہ معلوم ہو جائے ، آپ کون ہیں — اور چوروں کی طرح اس راستے آنے کا کیا مقصد ہے ؟"

اس نے منہ سے کوئی لفظ نہ نکالا — نہ کوئی حرکت کی — ساکت کھڑا رہا —

"یہ نقاب نہیں اتارتا تو میں اس کا نقاب اتارے دیتا ہوں" یہ کہ کر انسپکٹر جمشید آگے بڑھے اور اس کا نقاب نوچ ڈالا — وہ سب کے سب بری طرح اچھلے —

گناہ گار

ان کے سامنے مُونی کھڑا تھا — مونی جو دس سال پہلے غائب ہو گیا تھا۔

"اُف مالک — یہ آپ ہیں سرتاج"۔ بیگم مونی چلّائیں۔

"ابّا جان!" تینوں بچے بے تحاشا اس کی طرف جھپٹے اور اس سے چمٹ گئے —

وہ بھی ان سے لپٹ گیا اور پھر وہ رونے لگے — بیگم بھی رونے لگی — انھیں ان لوگوں کو رونے کی مہلت دینا پڑی — آخر آنسو خشک ہو گئے اور وہ ان کی طرف مڑے:

"بہتر ہوگا، سب لوگ بیٹھ جائیں — یوں کب تک کھڑے رہیں گے"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

وہ ایک اندرونی کمرے میں بیٹھ گئے:

"مسٹر مونی! ہم سب آپ کی کہانی سننے کے لیے بے چین ہیں — بلکہ پورا شہر ہی آپ کی کہانی جاننے کے لیے بے تاب

ہے — آخر یہ سب چکر کیا ہے — آپ تو ہر اتوار کی رات اپنے گھر آتے رہے ہیں — اگر آپ ان سے ہر اتوار ملتے رہے ہوتے تو یہ لوگ آپ سے اس بُری طرح نہ چمٹتے، اس قدر زور شور سے نہ روتے — اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ یہاں آتے ضرور رہے ہیں، لیکن انھیں سوتے میں دیکھ کر واپس چلے جاتے رہے ہیں، آپ نے انھیں آج تک جگایا نہیں"۔

"کیا کہا — یہ ہر اتوار یہاں آتے رہے ہیں؟"

"ہاں! دس سال سے ان کا یہ معمول ہے — اب باقی کہانی یہ خود سنائیں گے — انھوں نے بنک کیوں لوٹا — بنک لوٹ لیا تھا تو اپنے بیوی بچوں سے دُور کیوں رہے — انھیں لے کر کسی دوسرے ملک فرار ہو سکتے تھے — یہ ساری وضاحتیں مسٹر مونی آپ کریں"۔

"یہ ایک بہت دکھ بھری کہانی ہے — جس بنک کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا — اس میں حفاظتی آلات نصب کیے — بنک کے ڈائریکٹرز اور بنک کے دوسرے ذمے دار لوگوں کو یقین دلایا کہ بنک ہر طرح محفوظ ہے — اس میں ڈاکا نہیں ڈالا جا سکتا — اس بنک کو خود مجھے لوٹنا پڑا — اس سے زیادہ عجیب بات کیا ہو گی"۔

"ہاں! واقعی — لیکن آپ نے ایسا کیوں کیا؟"

"میں نے ایسا کیا نہیں تھا — مجھ سے ایسا کرایا گیا تھا۔" موری نے کہا۔

"ہاں! یہ اندازہ میں لگا چکا ہوں — کیونکہ اس بینک میں ڈاکے کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ کام آپ کا ہے۔ پھر جب آپ ڈاکے کے ساتھ ہی غائب بھی ہو گئے تو کسی کو کیا شک رہ جاتا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! یہ بات بالکل درست ہے — اسی لیے میں نے دنیا کے سامنے نہ آنے کا فیصلہ کیا تھا۔"

"یوں بات پلے نہیں پڑے گی جناب — آپ شروع سے شروع کریں۔"

"اچھی بات ہے — وہ دن مجھے ہمیشہ یاد رہے گا — میں اپنی ڈیوٹی سے واپس گھر آ رہا تھا کہ ایک کار میرے پاس آ کر رکی — اور تین آدمیوں نے فوراً کلاشن کوفیں میری طرف تان دیں، پھر کار میں بیٹھنے کا حکم دیا — ورنہ گولیوں سے بھون دینے کی دھمکی دی —

میں ڈر گیا اور کار میں ان کے درمیان بیٹھ گیا — وہ مجھے جنگل میں ایک سنسان عمارت میں لے آئے، وہاں ایک نقاب پوش نے مجھ سے ملاقات کی — اس جگہ قریباً

بیس غنڈہ صورت آدمی موجود تھے — نقاب پوش ان کا باس تھا — اور وہ اس کے حکم پر اس طرح عمل کرتے تھے، جیسے غلام ہوں — باس نے مجھ سے کہا:

"میں وہ بینک لوٹنا چاہتا ہوں — جس میں حفاظتی آلات تم نے نصب کیے ہیں۔"

یہ سن کر میری سٹی گم ہو گئی — میں نے فوراً کہا:

"میں اس کام میں تم لوگوں کی مدد نہیں کر سکتا — کیونکہ سب جانتے ہیں — اس بینک میں ڈاکے کا مطلب ہو گا — یہ کام صرف اور صرف میرا ہے — میرے علاوہ کسی پر شک جا ہی نہیں سکتا — اگر میں انھیں اپنے اغوا کی کہانی سنا بھی دوں تو بھی لوگ مجھے نفرت کی نظر سے ہی دیکھیں گے نا — میں اپنی ملازمت سے بھی جاؤں گا — میری فرم — جو مجھ پر حد درجے اعتماد کرتی ہے — اور ایک بہت بڑی تنخواہ اس نے میری مقرر کر رکھی ہے، وہ بھی فوراً بدظن ہو جائے گی — مجھے ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑیں گے — اور شہر سے ہی نہیں ملک سے بھی باہر جانا پڑے گا — پھر میرے بیوی بچے مجھ سے نفرت کریں گے — اس لیے کہ انھوں نے اپنی زندگی بہت ایمانداری سے گزاری ہے — اور چوری ڈکیتی جیسے جرم کا وہ سوچ بھی

نہیں سکتے ۔ ان حالات میں میں مر تو سکتا ہوں ، یہ کام
نہیں کر سکتا ۔ لہٰذا آپ لوگ مجھے گولی مار دیں ۔ میں مرنے
کے لیے تیار ہوں۔'

'لیکن مسٹر مونی ۔ میں ایک بات جانتا ہوں۔' باس نے
ہنس کر کہا۔

'اور وہ کیا؟'

'یہ کہ تم اس بنک میں ڈاکا ڈالنے میں میری مدد ضرور
کرو گے ۔ اس لیے کہ موت بہت آسان ہے ۔ میں تو
دشمن کو تڑپا تڑپا کر زندہ رکھنے کا عادی ہوں۔'

'آپ مجھے جتنا جی چاہے ۔ تڑپا لیں ۔ لیکن میں یہ
کام ہرگز نہیں کروں گا۔'

'میں یہ بات بھی جانتا تھا کہ تم اس طرح نہیں مانو
گے ۔ لہٰذا میں نے ایک اور بھی طریقہ اختیار کیا ہے ۔
تم ضرور مان جاؤ گے ۔'

'اور وہ طریقہ کیا ہے مسٹر باس؟' میں نے طنزیہ انداز
میں کہا ۔

'تمھارے ماں باپ ایک گاؤں میں رہتے ہیں مسٹر مونی ۔
وہ اس سال حج پر جا رہے ہیں ۔ بلکہ آج انھیں روانہ
ہونا ہے ۔'

'آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟'

'اگر حج پر جانے کی بجائے میرے آدمی انھیں اغوا
کر کے یہاں لے آئیں تو...'

'تم انھیں اغوا کر کے نہیں لا سکتے ۔ وہ تو اس وقت
تک اپنے گھر سے روانہ ہو کر ایر پورٹ پر پہنچ بھی چکے
ہوں گے ۔ بلکہ اب تو ان کا جہاز روانہ ہونے والا ہوگا ۔
میں انھیں رخصت کرنے کے لیے نہیں جا سکا ۔ اس لیے
کہ فرم نے اچانک میرے ذمے ایک کام لگا دیا تھا ۔ میں
نے انھیں فون پر بتا دیا تھا کہ میں نہیں آ سکوں گا ۔ وہ
بے چارے اکیلے ہی روانہ ہوئے ہوں گے ۔' میں نے جلدی
جلدی کہا ۔

'بالکل ٹھیک ۔ وہ روانہ ہو چکے تھے ، لیکن راستے میں
ہم تیار بیٹھے تھے ، لہٰذا انھیں یہاں لے آئے ہیں۔'

'نہیں ۔ نہیں۔' میں پوری قوت سے چلا اٹھا ۔

'بھئی یہ صاحب اس طرح یقین نہیں کریں گے ۔ تم لوگ
انھیں دوسرے کمرے کا دروازہ کھول کر دکھا ہی دو۔' نقاب
پوش نے اپنے آدمیوں سے کہا ۔

دوسرے کمرے کا دروازہ جب کھولا گیا تو وہاں میرے
ماں باپ بندھے نظر آئے ۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ۔

سٹی گم ہو گئی ۔

'انھیں اُلٹا لٹکا دو ۔ جب تک یہ حضرت بنک لوٹ کر واپس نہیں آ جاتے ۔ اس وقت تک یہ دونوں اُلٹے لٹکے رہیں گے ۔'

'ایک منٹ مسٹر باس ۔ مجھے سوچنے دو ۔' میں نے گھبرا کر کہا ۔

'ضرور سوچو ۔ ایک منٹ نہیں ۔ ایک گھنٹا سوچا ۔ لیکن ڈاکا آج ہی ڈالنا ہو گا ۔ ڈاکا نہ ڈالنے کی صورت میں یہ اُلٹے ہی لٹکے رہیں گے ۔ اگر تم نے ہمیں دھوکا دیا تو یہ دونوں تمھیں کبھی نہیں مل سکیں گے ۔'

'لیکن مسٹر باس ! آپ یہ بھی تو سوچیں ۔ میرا مستقبل تباہ ہو جائے گا ۔ کوئی ادارہ مجھے کام نہیں دے گا ۔ پولیس الگ مجھے پریشان کرے گی ۔'

'ہاں ! پولیس تمھیں گرفتار کر لے گی ۔ اس لیے کہ تم کبھی بھی یہ بات ثابت نہیں کر سکو گے کہ یہ واردات تم نے کسی کے کہنے میں آ کر کی ہے ۔ ثابت کر بھی دو تو نہ تو پولیس ہمیں گرفتار کر سکے گی اور نہ مال برآمد کر سکے گی ۔ اب ہم تمھیں سوچنے کی مہلت دیتے ہیں ۔ یہ مہلت دو گھنٹے تک جاری رہے گی ۔ تم سوچ لو ۔ خوب غور کر لو ۔

یہ بات جان لو کہ ہمارے دلوں میں رحم نام کی کوئی چیز نہیں ہے ۔' باس بولا ۔

یہ کہہ کر باس چلا گیا ۔ ہم تینوں کو اسی کمرے میں بند کر دیا گیا ۔ میں اپنے ماں باپ سے لپٹ کر خوب رویا ۔ انھوں نے کہا کہ میں ان کی خاطر اپنے فرض سے غداری نہ کروں ۔ ہماری جانیں جاتی ہیں تو جائیں ۔ بے شک وہ ہمیں بھی مار ڈالیں ، لیکن تم یہ کام نہ کرو ۔ ان کا فیصلہ یہ تھا ۔ لیکن میں انھیں اُلٹا لٹکتے کس طرح دیکھ سکتا تھا ۔ دو گھنٹے بعد میں نے انھیں بتا دیا کہ میں ڈاکا ڈالنے میں ان کی مدد کرنے کے لیے تیار ہوں ۔

اور پھر اسی رات بنک میں ڈاکا ڈالا گیا ۔ چھتیس کروڑ روپے وہاں سے اڑا لیے گئے ۔ بنک لوٹ کر سب لوگ واپس اسی مکان میں آ گئے ۔ باس وہاں موجود تھا ۔

'مسٹر مونی ۔ اب تم کیا کہتے ہو ؟'

'میرے پاس کہنے کے لیے اب کیا رہ گیا ہے ۔' میں نے اداس انداز میں کہا ۔

'واپس اپنے معاشرے میں جانا چاہتے ہو تو جا سکتے ہو ۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ۔ میں تمھارے والدین کو بھی چھوڑ دیتا ہوں ۔ لیکن اتنا سُن لو ۔ تم آزاد ہو کر

جب پولیس کو یہاں لاؤ گے تو یہاں تمہیں گائیں بھینسیں بندھی
ملیں گے — ہمارے خلاف کسی قسم کا ثبوت ملے گا ، اور
نہ ہمیں تلاش کیا جا سکے گا — لیکن تم سے لوگ اس قدر
نفرت کریں گے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے ۔'

'نہیں — میں سوچ بھی سکتا ہوں اور اندازہ بھی لگا سکتا
ہوں کہ مجھ سے کیا سلوک ہوگا — سوائے نفرت کے اب
میرے لیے کچھ نہیں ہے — میں اور میرے ماں باپ اب
کسی گمنام جگہ زندگی گزاریں گے — میں اب اس دنیا میں
واپس نہیں جاؤں گا ۔'

'تمہارا یہ فیصلہ سن کر مجھے حد درجے خوشی ہوئی ہے —
یہ لو پچاس لاکھ روپے — ان کے ذریعے اپنی اور اپنے ماں
باپ کی بقیہ زندگی گزار لینا — دنیا کے سامنے نہ آنا — اپنے
بیوی بچوں کو بھی بھول جانا ۔'

اور اس طرح میں دنیا سے کٹ گیا — میں نے شیو بنانا
چھوڑ دیا ، اس طرح میرے چہرے پر گھنی اور بڑی داڑھی ہو
گئی — میں اپنے بیوی بچوں کو دیکھے بغیر نہ رہ سکا — میں
رات کے وقت یہاں آنے لگا — پائپ پر چڑھ کر چھت
پر آتا اور انھیں دیکھ کر اسی راستے سے واپس چلا جاتا —
لیکن ایک دن میری اس حرکت کا پتا باس کو چل گیا —

اس نے مجھے پھر سے پکڑ لیا اور قید کر دیا — لیکن میں نے
اس سے درخواست کی کہ ہفتے میں ایک بار مجھے اپنے
بیوی بچوں کو دیکھنے کی اجازت ضرور دے — اس نے میری
یہ بات مان لی ، لیکن اپنے آدمیوں کی نگرانی میں ایسا کرنے
کی اجازت دی — لیکن میں اس گمنامی کی زندگی سے تنگ
آ چکا تھا — اس لیے ایک دن میں نے ایک فیصلہ کیا — یہ
کہ بنک کے ڈائریکٹر خان امجد کے پاس جاؤں اور ساری کہانی
انھیں سنا دوں —

اور پھر ایک رات میں خان امجد کی طرف چل پڑا —
دل میں ٹھان لی تھی — کہ اب اس زندگی سے نجات حاصل
کرکے رہوں گا — خان امجد کے بنگلے پر پہنچا تو دروازہ کھلا
پایا — اور چوکیدار غائب تھا — میں نے خیال کیا کہ شاید کوئی
گڑبڑ ہے ؛ چنانچہ اندر گھس گیا — اور سیدھا خان امجد کے
کمرے کی طرف بڑھتا چلا گیا — نزدیک پہنچا تو کمرے سے
ایک آواز ابھر رہی تھی — اس آواز کو سن کر میں زور سے
اچھلا — کیونکہ اس آواز کو میں بہت اچھی طرح پہچانتا تھا —
صرف میں ہی نہیں — باس کے باقی لوگ بھی — وہ آواز اسی
باس کی تھی جو ہمیں حکم دیتا رہتا تھا — میں دھک سے رہ
گیا — ڈرتے ڈرتے اور آگے بڑھ کر دیکھا تو بات کرنے

والا خان امجد کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا؟"

"کیا!!!" وہاں موجود سب لوگ زور سے چلّائے۔

"جی ہاں! اسی وقت مجھے معلوم ہوا۔ جس شخص کو میں کہانی سنانے گیا تھا، اسی نے تو وہ ڈاکا ڈلوایا تھا۔ میں سن ہو کر رہ گیا۔ اسی وقت اس نے مجھے دیکھ لیا، اس کا منہ بھی کھلا کا کھلا رہ گیا۔

'اُف مالک! تو اس گروہ کے باس آپ ہی ہیں اور وہ ڈاکا آپ نے ہی ڈلوایا تھا!'

'اب اگر تمھیں یہ بات معلوم ہو ہی گئی ہے تو میں انکار کر کے کیا کروں گا — لیکن موٹی — یہ تمھارے حق میں اچھا نہیں ہوا۔' باس نے سرد آواز میں کہا۔

'کک — کیا مطلب؟' میں نے چونک کر کہا۔

'اب تمھیں جان سے مارنا پڑے گا — جب کہ میں نے ایسا کام آج تک نہیں کیا — گویا میں اپنی زندگی کا پہلا قتل کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔'

'ن — نہیں — آپ ایسا نہ کریں — جو آپ کہیں گے، کروں گا۔'

'تب پھر اب تمھیں میری جگہ باس بن کر رہنا ہوگا۔ اب تم انھیں احکامات دیا کرو گے — سامنے بھی تم آیا

کرو گے — میں صرف ہدایات دیا کروں گا — اور جس دن تم نے میرا راز کسی کو بتا دیا — وہ تمھاری زندگی کا آخری دن ہوگا۔'

سو اس دن سے میں اس گروہ میں شامل ہو گیا۔ باس کے احکامات ان لوگوں تک پہنچاتا رہا — جو لوٹ مار کا مال وہ لا کر دیتے، میں باس تک پہنچا دیتا۔ میں نے آج تک اس رقم میں سے کچھ بھی نہیں لیا — میں تو باس سے صرف دو وقت کی روٹی لیتا رہا ہوں — یا پھر ہفتے میں ایک بار میں اپنے گھر والوں کو سوتے میں دیکھنے آتا رہا ہوں — اور اس دن ہوٹل میں میں غیرارادی طور پر چلا گیا تھا — اب موجودہ صورت میں مجھے کوئی بھی موٹی کی حیثیت سے نہیں پہچانتا تھا، لہٰذا مجھے اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے کی اجازت باس نے دے دی تھی۔ یوں بھی اسے اب مجھ پر اعتماد ہو چکا تھا — اور ہوٹل میں مجھ سے وہ حرکت سرزد ہو گئی — جس کا احساس مجھے نہ ہو سکا — یعنی میں وہاں اپنے دستخط کر آیا — اس طرح یہ بات [illegible] سے شہر میں پھیل گئی — اخبارات پڑھ کر باس نے مجھے خوب جھاڑا ہے — اور آئندہ کے لیے ایسی جگہوں پر جانے سے بالکل روک دیا ہے — یہ ہے

میری کہانی ۔ لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ آج یہاں بھی میرا انتظام کر دیا گیا ہے۔" یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گیا ۔

سب لوگ سوچ میں ڈوب گئے ، پھر انسپکٹر جمشید نے کہا:

"آپ کی کہانی درست ہے ۔ لیکن آپ کو یہ ساری کہانی بہت پہلے ، جب بنک میں ڈاکا ڈالا گیا تھا ، پولیس کو سنا دینی چاہیے تھی ۔ لیکن آپ خوف زدہ ہو گئے ۔ اب آپ کا فیصلہ تو خیر عدالت کرے گی ۔ اب ہم اصل مجرم کو گرفتار کرنے کے لیے چلتے ہیں۔"

اور پھر وہ خان امجد کے بنگلے کے پاس پہنچ گئے ۔ مونی کو انھوں نے گاڑی میں ہی چھوڑا اور خود دروازے پر پہنچ گئے ۔ وہاں چوکیدار موجود تھا :

"ہمیں خان امجد صاحب سے ملنا ہے۔"

"جی اچھا ۔ اپنے کارڈ دے دیں۔"

وہ کارڈ دے کر اندر چلا گیا ۔ جلد ہی اس کی واپسی ہوئی :

"آئیے جناب۔"

وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے اندر آ گئے ۔ خان امجد ایک مسہری پر نیم دراز تھا :

"انسپکٹر جمشید صاحب آپ ۔ اور میرے گھر میں ۔ خیریت تو ہے؟"

"جی نہیں ۔ خیریت نہیں ہے ۔ کم از کم آپ کے لیے خیریت نہیں ہے۔" انھوں نے سرد آواز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ زور سے چونکا۔

"آپ کا پول کھل گیا ہے۔"

"آپ کیا کہہ رہے ہیں ۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔" خان امجد نے کہا۔

"ابھی آ جائے گا ۔ محمود تم اسے یہاں لے آؤ۔"

"جی بہتر!" محمود نے کہا اور اٹھ کر چلا گیا۔

"آپ کسے بلا رہے ہیں؟"

"بس ۔ دیکھتے جائیں۔" وہ مسکرائے۔

"میں شدید الجھن محسوس کر رہا ہوں۔"

"مجبوری ہے ۔ ابھی تو آپ نہ جانے کیا کچھ محسوس کریں گے۔" فاروق نے کہا۔

اور پھر محمود مونی کو لے کر اندر داخل ہوا ۔ خان امجد زور سے اچھلا :

"یہ ۔ یہ ۔ یہ کیا؟"

"یہ تو شاید کوئی وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔"

"مونی ــ یہ سب کیا ہے؟"

"انھوں نے مجھے میرے گھر میں پکڑ لیا باس ــ میں کیا کرتا" مونی نے کہا۔

"کیا تم نے انھیں سب کچھ بتا دیا؟"

"میں چھپا بھی کس طرح سکتا تھا ــ پکڑے جانے کے بعد" اس نے کہا۔

"اُف ــ یہ تم نے کیا کیا ــ تم نے تو میرا بیڑہ ہی غرق کر دیا"

"لیکن تم نے کون سا میرا بیڑہ غرق کرنے میں کوئی کسر چھوڑی ہے ــ میں دس سال سے گھر سے بے گھر ہو چکا ہوں" مونی نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"اب میں تمھیں نہیں چھوڑوں گا"

"مسٹر خان امجد ــ اب آپ کوئی غلط حرکت نہیں کر سکیں گے ــ یہ کیس اب ہمارے پاس ہے ــ اور اگر مسٹر مونی کی کہانی کی تصدیق ہو گئی تو یہ صاف بچ جائیں گے ــ کیونکہ اس جرم میں ان کی مرضی ہرگز شامل نہیں تھی ــ باقی رہ گئے آپ اور آپ کے ساتھی ــ آپ تو لمبے ہی جائیں گے"

"میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں ــ میں صاف چھوٹ جاؤں

گا اور پھر مونی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا"

"میں تمھیں اس قابل نہیں رہنے دوں گا ــ یہ میرا وعدہ ہے"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے جیب سے پستول نکال لیا ــ اور اس کے دل کا نشانہ لے لیا:

"یہ ــ یہ کیا کر رہے ہیں؟"

"تمھیں شوٹ کر رہا ہوں" وہ پُرسکون آواز میں بولے۔

"لیکن کس قانون کے تحت؟"

"اور تم کس قانون کے تحت مسٹر مونی کو جان سے مارو گے؟"

وہ انھیں گھور کر رہ گیا ــ

"کیا خیال ہے ــ کر دوں تمھیں شوٹ"

"اور قانون کو ہاتھ میں لینے کے بارے میں کیا وضاحت کرو گے؟"

"تم بھی تو قانون کے ایک محافظ کے سامنے مسٹر مونی کو جان سے مارنے کی دھمکی دے رہے ہو ــ اور یہ الفاظ میں نے ریکارڈ کر لیے ہیں ــ عدالت میں تمھارے یہ الفاظ سنائے جائیں گے ــ اور تمھیں حد درجے خطرناک ثابت کر دینا اب میرے لیے بہت آسان ہے ــ لہٰذا عدالت تمھیں

نہیں چھوڑے گی — کوئی عدالت اب تمہارے کسی بڑے کی سفارش نہیں مانے گی — یہ میرا دعویٰ ہے — اور اس دعوے کی سچائی تمہیں عدالت میں معلوم ہو جائے گی " انسپکٹر جمشید نے کہا۔

اس کا سر جھک گیا — اور اکرام اس کی طرف بڑھنے لگا —

آئندہ ناول کی ایک جھلک

موسم گرما کی چھٹیوں میں بڑے خاص نمبر کے بعد
ایک اور خاص نمبر ـــــ ایک خاص پیشکش

۲۰۔ اگست کو پڑھیے | قیمت : ساٹھ روپے

میڈیم خاص نمبر

محمود، فاروق، فرزانہ، انسپکٹر جمشید، آفتاب،
آصف، فرحت، انسپکٹر کامران مرزا اور
شوکی برادرز کی مشترکہ مہم

ـــــ ناول نمبر ۵۸۲ ـــــ

انظال کی واپسی

مصنف : اشتیاق احمد

- قیامت کے باغی کے بعد ایک بار پھر انظال سے ملیے ـ
- تین خوفناک مجرم ـ
- ان خوفناک مجرموں کا جرم کیا تھا ـ
- انھیں بچانے کے لیے تین بڑی حکومتیں میدان میں اُتر پڑیں ـ
- یہ تین حکومتیں انشارجیہ، شارجستان اور برٹانی تھیں ـ
- ان تینوں کی کوششیں تھیں کہ ان تینوں کو سزا سے بچا لیا جائے ـ
- ان کی حکومت بھی انھیں بچانے پر مجبور ہو گئی، لیکن ...
- لیکن انسپکٹر جمشید اڑ گئے ـ ان کا کہنا تھا ـ انھوں نے بہت گھناؤنا جرم کیا ہے، انھیں سزا ملنی ہی چاہیے، تاکہ پھر کسی کو یہ جرم کرنے کی جرأت نہ ہو ـ
- اب چار ملک ایک طرف تھے اور انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی دوسری طرف ـ
- تینوں پارٹیاں کس حالت میں ملیں ـ
- انسپکٹر جمشید کو آپ انوکھے روپ میں دیکھیں گے اور قدم قدم پر حیرت میں ڈوب ڈوب جائیں گے ـ
- اور جب انسپکٹر جمشید نے انھیں عدالت میں پیش کیا تو عین اس موقعے پر انظال میدان میں اترا اور ان تینوں کو اٹھا لے گیا، تاکہ انسپکٹر جمشید انھیں سزا نہ دلا سکیں ـ

- پھر کیا انھوں نے ہار مان لی ؟
- جی نہیں — انھیں بھی انشارجہ کا سفر کرنا پڑا —
- انشارجہ میں ان کے لیے ہر طرف خطرات موجود تھے —
- ابطال نے ان تینوں کو انشارجہ کے عوام کے سامنے ہیرو بنا کر پیش کیا —
- ان کے اعزاز میں بڑی بڑی تقاریب ہوئیں
- ایسی ہی ایک تقریب میں انسپکٹر جمشید نے فاروق اور آفتاب کو حکم دیا کہ وہ وہاں پہنچیں —
- اس عمارت میں وہ کس طرح داخل ہوئے — اور کہاں سے کہاں تک پہنچے —
- ان کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ ابطال تھا — وہ اسے دیکھ نہیں سکتے تھے —
- ان حالات میں پروفیسر داؤد میدانِ عمل میں اُترے —
- کیا وہ ابطال کو دیکھنے میں کامیاب ہوئے ؟
- ایک سوال — انسپکٹر جمشید نے ان تینوں خوفناک مجرموں کو کہاں چھپایا تھا ؟ یہ سوال آخر تک گونجتا سنائی دے گا —
- خود ابطال بھی انھیں تلاش نہ کر سکا —
- وہ گھر میں داخل ہوئے تو ابطال ان سے پہلے ان کے گھر میں موجود تھا —

- اُنھوں نے اُس کا مقابلہ کس طرح کیا —
- انسپکٹر جمشید کا اعلان — یہ کہ وہ بھرے مجمعے میں ان تینوں کو پھانسی پر لٹکائیں گے —
- ابطال کا اعلان — وہ انھیں ہر حال میں ان کے قبضے میں نہیں آنے دے گا —
- اس جنگ میں کون جیتا ؟
- ابطال — ذہنی جنگ کا ماہر — ادھر انسپکٹر جمشید بھی اس سے ذہنی جنگ لڑ رہے تھے —
- دونوں کی ذہنی جنگ نے کیا صورت اختیار کی — آپ کو ضرور مزا آئے گا —
- اور آخر میں جب آپ کو پتا چلے گا کہ انسپکٹر جمشید نے انھیں کہاں رکھا ہوا تھا تو آپ اور بھی حیران ہوں گے —
- اور جب بہت بڑے میدان میں انسپکٹر جمشید نے انھیں پھانسی دینے کا اعلان کیا تو ابطال بھی انھیں بچانے کے لیے وہاں موجود تھا —
- لیکن یہاں بھی ایک ذہنی جنگ لڑی گئی —
- اور پھر انسپکٹر جمشید نے ایک ایسا انکشاف کیا کہ پوری دُنیا حیرت میں ڈوب گئی —
- آپ کو یہ خاص نمبر مدتوں یاد رہے گا —

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز ۵۶

پُراسرار مہم

مصنف: اشتیاق احمد

- انسپکٹر جمشید کے گھر کے دروازے کی گھنٹی بجی —
- گھنٹی کا انداز انجانا تھا —
- آپ کے کردار ان دنوں چھٹیاں گزار رہے تھے —
- وزیرِ دفاع نے انھیں دعوت پر بُلایا —
- صدرِ مملکت بھی دعوت میں شریک تھے —
- ٹاموور سے ملیے —
- انھیں ایک پُراسرار مہم پر روانہ ہونا پڑا —
- اور پھر آپ کے کردار اُلجھتے چلے گئے —
- ۲۰ اگست کو پڑھیے — قیمت: ۱۵ روپے —

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز ۵۷

خُونی کیمپ

مصنف: اشتیاق احمد

- پُراسرار مہم آپ کے کرداروں کو خونی کیمپ تک لے گئی —
- فرزانہ کے پیر میں موچ آ گئی —
- انسپکٹر جمشید اور ٹاموور فرزانہ کو لنگڑاتے دیکھ کر گھبرا گئے —
- انوارکا سے ملیے — وہ اس ملک کا خوف ناک ترین آدمی تھا —
- انھیں ایک کاغذ پر لکھی تحریر نے ساکت کر دیا —
- انوارکا نے انسپکٹر جمشید کو ایک زبردست دھمکی دی —
- انتہائی جوڑ توڑ والا ناول —
- یہ کہانی آپ کو مدتوں یاد رہے گی —
- ۲۰ اگست کو پڑھیے — قیمت: ۱۵ روپے —

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز ۵۸

نیلا عذاب

مصنف: اشتیاق احمد

○ نیلے لباس والے کی جیب میں ایک نیلا لفافہ تھا، لیکن اچانک وہ لفافہ جیب سے اڑا لیا گیا —

○ لفافہ اڑانے والے کو محمود نے صاف دیکھا تھا —

○ محمود نے فاروق کے ذمے ایک عجیب کام لگایا —

○ ہوٹل کی دوسری منزل سے فرزانہ نے ایک ہولناک منظر دیکھا اور کانپ اٹھی —

○ ایک پُر اسرار سڑک جس پر گاڑیاں دھنس جاتی تھیں —

○ ایک عجوبہ ناول —

○ ۲۰ اگست کو پڑھیے — قیمت: ۱۵ روپے —

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز ۵۹

دروازہ کھلا ہے

مصنف: اشتیاق احمد

○ ایک ہوٹل میں خان رحمان کا بٹوہ اڑا لیا گیا —

○ شہر میں ایک بدمعاش کی حکومت تھی —

○ پولیس بھی اس کے خلاف کچھ کرتی نظر نہیں آتی تھی —

○ خان رحمان نے مجبوراً انسپکٹر جمشید کو فون کر ڈالا —

○ اور انھوں نے اس دور دراز قصبے میں محمود، فاروق اور فرزانہ کو بھیج دیا —

○ ان کے ساتھ کیا واقعات پیش آئے —

○ قدم قدم پر حیرتوں کا سامنا —

○ ۲۰ اگست کو پڑھیے — قیمت: ۱۵ روپے —

ادارے سے براہِ راست

کتابیں منگوانے کے فائدے

- ادارے سے آپ کو کتابیں بازار کی نسبت قریباً ایک ہفتہ پہلے مل جاتی ہیں۔
- کتابیں بازار کی نسبت آپ کو سستی ملتی ہیں۔
- کتابیں آپ کو گھر بیٹھے مل جاتی ہیں۔
- پوسٹ مین کتابوں کا پیکٹ آپ کو دے کر پیکٹ کی قیمت وصول کر لیتا ہے۔
- آپ بازار جانے کی زحمت سے بچ جاتے ہیں۔
- بازار میں اکثر کتابیں ختم ہو جاتی ہیں اور آپ میں سے اکثر کو خالی ہاتھ لوٹنا پڑتا ہے۔ جیسا کہ "برف کے اس پار" کی بار ی میں ہوا۔ ان گنت قارئین کو یہ خاص نمبر نہیں ملا۔
- آپ کو کتابیں حاصل کرنے کے لیے ادارے کو صرف ایک خط لکھنا پڑتا ہے۔
- مہربانی فرما کر خط ہر ماہ کی یکم تاریخ تک لکھ دیا کریں۔ ——— شکریہ!

بھرپور ناول
اشتیاق پبلی کیشنز